سیرتِ میزبانِ رسولؐ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ

مؤلفہ

طالب الہاشمی

شعارِ ادب مسلم مسجد انارکلی لاہور

بار اوّل - ۱۹۶۳ء

ناشر: ——— محمد حلیم

قیمت - غیر مجلد ۲/۰۰

مجلد - ۴/۰۰

فون نمبر ۶۶۳۸۱

اشرف پریس - لاہور

کاتب: حفیظ قریشی

ترتیب

خانگی زندگی

عظمتِ کردار

فضل و کمال

شغفِ حدیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی ایک عظیم الشان شخصیت ہیں۔ دنیائے اسلام میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو ان کے اسم گرامی سے ناآشنا ہو۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ آسمانِ فضیلت کا بدرِ کامل تھے۔ ان کی پوری زندگی سالارِ انبیاء سید البشر رحمۃ للعالمین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اطاعت۔ جاں نثاری اور تائید و نصرت میں گزری۔ ان کی عظمت و شان کیا تھی اس کا اندازہ آپ ان واقعات سے کر سکتے ہیں کہ۔

۱۔ وہ انصار کے سابقون اولون میں سے تھے اور رسولِ اکرم کے مدینہ میں نزولِ اجلال فرمانے سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

۲۔ انہوں نے بیعتِ عقبہ کبیرہ میں اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مقدس پیمانِ وفا باندھا کہ یا رسول اللہ خدائے برتر کی قسم ہم ہمیشہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی مدد اور حفاظت کریں گے۔

۳۔ ان کو اس ذاتِ اقدس کی میزبانی کا عظیم شرف حاصل ہوا جو باعثِ تکوینِ روزگار ہے
۴۔ وہ میدان بدر کے تین سو تیرہ نفوسِ قدسیہ میں سے ایک تھے
۵۔ وہ ان چودہ سو صحابۂ عظام میں شامل تھے جو بیعتِ رضوان سے مشرف ہوئے اور ایسی سرفروشی اور فداکاری کا مظاہرہ کیا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نایاب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فخرِ موجودات کے ان جاں نثاروں کو "اصحاب الشجرہ" کے نام سے پکارا اور کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی
۶۔ وہ ان دس ہزار قدسیوں میں سے ایک تھے جن کو فتح مکہ کے وقت ہادیٔ کونین کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔
۷۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں والہانہ شوق سے شریک ہوئے
۸۔ وہ ضعیف العمری کے عالم میں ایک طویل اور پُرصعوبت سفر کے بعد محض جہاد فی سبیل اللہ کے لیے قسطنطنیہ پہنچے اور میدان جہاد میں داصل بحق ہوئے۔

یہ کتاب اسلام کے اسی بطل جلیل کی سیرت ہے۔ اسے مرتب کرتے وقت عاجز نے جہاں تک بن پڑا ہے کوشش کی ہے کہ میزبانِ رسول کی زندگی کا کوئی واقعہ چھوٹنے نہ پائے۔ اگر کوئی واقعہ معرضِ تحریر میں نہیں آسکا یا تفصیل سے قلم بند نہیں کیا جاسکا تو اس کی وجہ مؤلف کی علمی بے بضاعتی یا بعض کمیاب کتابوں تک اس کی نارسائی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکمل سوانح حیات پیش کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مدینہ منورہ اور انصارؓ کی اجمالی تاریخ۔ سرورِ کونین کی سیرت پاک کی کچھ جھلکیاں اور تاریخ اسلام کے بعض ایسے واقعات جن کا حضرت ابوایوبؓ سے کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے۔ اس کتاب میں درج کر دیئے

جائیں۔ اس طرح یہ ایک ایسا مرقع بن گئی ہے جس میں آپ جا بجا راہِ حق میں بلاکشی۔ سرفروشی۔ فداکاری اور عشقِ رسولؐ کی ایمان افروز اور پاکیزہ تصویریں دیکھ سکیں گے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اگر ایک مسلمان کی آنکھیں بھی درد اور خلوص کے آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور اس کے دل میں رحمتِ دو عالمؐ اور حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کی محبت کا جذبہ موجزن ہو گیا تو یہ عاجز سمجھے گا کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

زعشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

آخر میں یہ عاجز نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ قارئین کرام سے پُرسوز دعائے خیر کی استدعا کرتا ہے نیز درخواست کرتا ہے کہ وہ ازراہِ کرم اس کتاب کے اسقام سے اسے مطلع فرما دیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں انھیں دور کیا جا سکے۔

والسلام

راجئ غفران و شفاعت

طالب الہاشمی

لاہور

۷ اکتوبر ۱۹۶۲ء (مطابق ۷ جمادی الاوّل ۱۳۸۲ھ ہجری)

مآخذ کتاب

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری
۲۔ صحیح مسلم
۳۔ مسند احمد بن حنبلؒ
۴۔ کتاب الاصابہ — ابنِ حجر عسقلانی
۵۔ اسد الغابہ — ابنِ اثیر
۶۔ طبقات — ابن سعد
۷۔ تاریخ طبری
۸۔ البدایہ والنہایہ — ابن کثیر
۹۔ مشارق الانوار — رضی الدین حسن بن حسن صنعانی
۱۰۔ ریاض الصالحین — ابوزکریا یحییٰ بن شرف حزامی

١١- السیرۃ النبویہ — ابن ہشام

١٢- ارض القرآن — سید سلیمان ندوی

١٣- مہاجرین — حاجی معین الدین ندوی

١٤- تاریخ الحرمین الشریفین — عبد السلام ندوی

١٥- سیرۃ النبیؐ (جلد اول) — شبلی نعمانی

١٦- سیر انصار (جلد اول) — سعید انصاری

١٧- سیرت کبریٰ — ابو القاسم رفیق دلاوری

١٨- حقائق الاخبار عن دول البحار — اسمٰعیل بک

١٩- قسطنطنیہ — نوازش علی خان

٢٠- رحمۃ للعالمین — عابد میاں عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

نسب اور خاندان

(۱)

نام اور کنیت

آپ کا نام "خالد" تھا اور کنیت "ابوایوب" تھی۔ تاریخ میں اپنی کنیت "ابوایوب" کے ساتھ مشہور ہیں۔

(۲)

سلسلہ نسب

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

خالد (ابوایوب رضی اللہ عنہ)

بن

زید

بن

کلیب

بن

ثعلبہ

بن

عبد عوف خزرجی

(والدہ کا نام زہرا بنت سعد خزرجی تھا)

(۳)

ولادت مؤرخین نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی۔ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرتِ نبوی سے تقریباً تیس برس پیشتر مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

(۴)

خاندان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ انصارِ مدینہ کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ "بنو نجار" سے تعلق رکھتے تھے اور خاندان "بنو نجار" کے رئیس تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی سلمٰی (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) مدینہ منورہ کے خاندان "بنی نجار" ہی سے تھیں۔ حضرت ہاشم بن عبد مناف (رسول اکرمؐ کے پردادا) ایک دفعہ تجارت کے لیے شام جا رہے تھے۔ راستے میں ان کا قیام مدینہ منورہ میں ہوا۔ وہاں ہر سال ایک بازار لگتا تھا جس میں اہلِ مدینہ اور قرب و جوار کے لوگ کثرت سے شریک ہوتے تھے۔ اتفاق سے ان دنوں مدینہ میں یہی بازار لگا ہوا تھا۔ ہاشم بازار میں گئے تو وہاں ایک حسین و جمیل خاتون پر نظر پڑی۔ اس کے بشرہ سے نجابت اور حیا ٹپکتی تھی۔ ہاشم نے اس کے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ سلمٰی بنت عمرو نام ہے اور خاندان بنو نجار سے ہے۔ حضرت ہاشم نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا جو اس نے قبول کر لیا۔ شادی کے بعد ہاشم چند دن مدینہ منورہ ٹھہرے

اور پھر اپنی منزل مقصود شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں پیغامِ اجل آپہنچا اور وہ غزہ کے مقام پر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت سلمیٰ حمل سے تھیں چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ یہی شیبہ جو بعد میں "عبدالمطلب" کے نام سے مشہور ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ شیبہ عبدالمطلب کے نام سے کیوں مشہور ہوئے۔ ارباب سیر نے اس سلسلہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں ان میں سے معتبر ترین روایت یہ ہے کہ شیبہ نے آٹھ برس تک مدینہ منورہ میں اپنی والدہ کے پاس پرورش پائی اس کے بعد ہاشم کے بھائی مطلب بن عبد مناف انہیں مدینہ سے اپنے پاس مکہ لے آئے۔ اور نہایت محبت اور دلسوزی سے ان کی پرورش کی۔ چونکہ یتیم تھے اس لیے لوگوں میں عبدالمطلب (غلام مطلب) کے نام سے مشہور ہو گئے۔

"خاندان بنو نجار" یوں تو خود ہی ایک ممتاز خاندان تھا لیکن حضرت عبدالمطلب کا ننھیال ہونے کی وجہ سے (اور یوں بالواسطہ سرور دو عالمؐ سے قرابت داری کی بدولت) یہ قبائل مدینہ میں ممتاز ترین خاندان سمجھا جاتا تھا۔ رسول اکرمؐ کے محبوب چچا سید الشہدا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی ایک بیوی خولہ بنت قیس بھی بنو نجار سے تھیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اکرمؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ بھی مدینہ طیبہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راویوں کو اس معاملہ میں کسی قدر تسامح ہوا ہے۔ حضرت آمنہؓ قریش کے قبیلہ زہرہ سے تعلق رکھتی تھیں اپنے والد وہب بن عبد مناف کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے چچا وہیب بن عبد مناف

کے پاس پرورش پائی۔ وہیب کی صاحبزادی ہالہ کی شادی حضرت عبدالمطلب سے ہوئی۔ اور حضرت آمنہ کا عقد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے ہوا۔ ہالہ کے بطن سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے وہ رسول اکرمؐ کے صرف چچا ہی نہیں بلکہ خالہ زاد بھائی بھی تھے۔

حضرت آمنہؓ سے عقد نکاح کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تجارت کے لیے شام گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ منورہ میں ٹھہرے۔ اور چند دن بیمار رہ کر یہیں وفات پائی۔ گمانِ غالب ہے کہ مدینہ منورہ میں ان کا قیام بنو نجار کے ہاں ہی ہوا ہوگا۔ اس وقت حضرت آمنہ حمل سے تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد حضرت عبدالمطلب کی سرپرستی میں آگئیں۔ چند ماہ بعد سرور کائنات عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف لائے۔ چھ برس تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں پرورش پائی۔ اس کے بعد حضرت آمنہؓ حضورؐ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ گویا سرزمینِ مدینہ کو آقائے دوجہاں کے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف پہلی مرتبہ اس وقت حاصل ہوا۔ جب حضورؐ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت آمنہؓ خاندان بنو نجار کے ہاں مقیم ہوئیں۔ اس سفر میں ام ایمنؓ بھی حضرت آمنہؓ کے ہمراہ تھیں۔ ام ایمنؓ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی لونڈی تھیں اور ہادیٔ اکرمؐ کو والد ماجد کے ترکہ میں ملی تھیں۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ اپنے خسر حضرت عبدالمطلب کے ننھیالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئی تھیں۔ لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں۔

"یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق پر

اتنا بڑا سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہؓ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں۔ جو مدینہ میں مدفون تھے۔
حضرت آمنہؓ کے سفر کی غرض و غایت کچھ بھی ہو تاہم یہ ضرور ثابت ہے کہ ان کی میزبانی کا شرف "بنو نجار" ہی کو حاصل ہوا۔ حضرت آمنہؓ نے اپنے لخت جگرؐ اور ام ایمنؓ کے ساتھ کم و بیش ایک ماہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ واپسی کے سفر میں جب ابواء کے مقام پر پہنچیں تو بیمار ہو گئیں اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یتیم مکہ رحمتِ عالمؐ ام ایمنؓ کے ساتھ مکہ پہنچے۔

بچپن میں اپنے قیام مدینہ کی بہت سی باتیں رسول اکرمؐ کو مدت العمر یاد رہیں۔ ہجرت کے بعد ایک دفعہ رسولِ اکرمؐ بنو نجار کے محلے سے گزرے تو فرمایا۔ "یہی وہ مکان ہے جہاں میری والدہ مرحومہ نے قیام کیا تھا۔ یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا اور اسی میدان میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا تھا۔"

"خاندان بنو نجار" کو رسولِ اکرمؐ بہت عزیز جانتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا

"اگر میں ان (انصار) میں سے کسی گھرانے میں شامل ہوتا تو "بنو نجار" میں شامل ہوتا۔"

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو اسی عظیم خاندان کا رئیس ہونے کا شرف حاصل تھا۔

مدینہ طیّبہ اور انصار

(۱)

مدینہ طیّبہ

حضرت ابو ایوّب انصاریؓ اس مقدس شہر کے رہنے والے تھے جس کا غبار "سرمۂ چشم کائنات" ہے۔ یعنی شہرِ جمال "مدینہ منوّرہ"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت سے قبل اس کا نام یثرب تھا۔ ہجرت کے بعد اس کا نام مدینۃ النبیؐ (یعنی رسول اللہ کا شہر) مشہور ہؤا اور پھر مختصر ہو کر مدینہ رہ گیا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں مدینہ کے انیس نام لکھے ہیں یعنی یثرب، مدینہ، طیبہ، قدسیہ، عاصمہ، محرمہ، محبوبہ، جابرہ، ناجیہ، موفیہ، محفوفہ، مرزوقہ، مرحومہ، مختارہ، قاصمہ، طیابا، ظابہ، اکالۃ البلدان مبارکہ، حبیبہ۔

وفاء الوفاء میں مدینہ منوّرہ کے نوے نام لکھے ہیں اور ہر نام کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی گئی ہے۔ لیکن مدینہ منوّرہ کا سب سے قدیم مشہور نام یثرب ہی ہے۔ بعض روایتوں

میں ہے کہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے کیونکہ یثرب اہل مدینہ کے ایک بت یا وہاں کے ایک کافر کا نام تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ثرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد کے ہیں۔ بعض اسے تثریب کا مشتق بتاتے ہیں جس کے معنی ملامت کرنے کے ہیں۔ تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ لفظ یثرب ایک مصری لفظ تریبس (یا اتھریبس) کی تعریب ہے۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ محتاط اندازہ کے مطابق اس کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ء قبل مسیح اور ۲۲۰۰ء قبل مسیح کے درمیان ہے۔

مدینہ منورہ شہر جلال مکہ معظمہ سے تقریباً دو سو اسی میل کے فاصلے پر واقع ہے اس شہر کا نام سن کر دنیا کے ہر مسلمان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں کیونکہ اس میں ایک ایسی مقدس جگہ ہے جس کی عظمت اور محبت ہر فرزند توحید کے دل میں جاگزین ہے۔ یعنی روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیشمار احادیث مدینہ منورہ کی فضیلت میں ہیں۔ یہ رحمۃٌ للعالمین کا محبوب شہر تھا۔ ایک دفعہ حضورؐ نے دعا مانگی تھی۔

اَللّٰھم حبّب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد۔ "خداوندا مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنا جیسا کہ مکہ ہم کو محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔"

اس سے مدینہ منورہ کی عظمت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲)

خصائص مدینہ منورہ قرآن وحدیث اور تاریخ وسیر سے مدینہ منورہ کے بیشمار فضائل اور خصائص اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ ان میں

سے کچھ یہ ہیں۔
۱۔ اس میں ایک ایسی مبارک جگہ ہے جس کی بے مثال عظمت اور فضیلت پر تمام عالم اسلام کا اجماع ہے۔ یعنی روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔
۲۔ یہاں حضورؐ کے روضۂ اقدس اور منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔
۳۔ حق تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے لا اقسم بھذا البلد
۴۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمین مدینہ کو خود اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے الم تکن ارض اللہ واسعۃ، کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی۔
۵۔ اکثر صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔
۶۔ حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ کی یہ فضیلت بیان کرتے تھے کہ وہ دارالہجرۃ ہے۔ دارالسنۃ ہے۔ شہداء سے معمور ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے بہترین لوگ وہاں موجود ہیں۔
۷۔ اللہ تعالیٰ نے ہادیٔ اکرمؐ کی امداد و اعانت کے لیے اہل مدینہ کا انتخاب کیا۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم،
۸۔ مدینہ منورہ کو ہمیشہ کے لیے دارالاسلام قرار دیا گیا۔
۹۔ حضور نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا۔
۱۰۔ حضور سرور دو عالمؐ نے خود اپنے ہاتھ سے اس میں مسجد تعمیر فرمائی۔
۱۱۔ مسجد نبویؐ میں نماز کا اس قدر ثواب ملتا ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔
۱۲۔ نماز کے علاوہ مدینہ میں ہر عبادت کا ثواب مکہ سے زیادہ ملتا ہے۔
۱۳۔ مدینہ منورہ میں جبل احد ہے جس کی نسبت حضورؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ہم کو

اور ہم اس کو چاہتے ہیں۔

۱۴۔ مدینہ منورہ میں کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر سرور دو عالمؐ نہ چلے ہوں۔

۱۵۔ سرورِ کائناتؐ نے مدینہ منورہ کے لیے بہ کثرت دعائیں کی ہیں اور اس کا نام طیبہ رکھا ہے۔

(۳)

انصارؓ لفظ "انصار" ناصر یا نصیر کی جمع ہے۔ انصار مدینہ منورہ کے ان مقدس باشندوں کا لقب ہے جنہوں نے اسلام کی دعوت اوّلین قبول کی اور ہجرت کے بعد فخر کون و مکان جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم اور دوسرے مہاجرین اسلام کو نہ صرف اپنے گھروں میں اتارا بلکہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ ہر طرح عون و نصرت کا حق ادا کیا۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے انھیں انصار کے نام سے حیاتِ جاوید عطا کی۔ ان کے شہر کو اپنے محبوب افضل البشر سید الانبیاء ہادیٔ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلّم کی پسندیدہ اور مستقل اقامت گاہ بنا دیا اور اسے دنیا بھر کے فرزندانِ توحید کے لیے رگِ جاں سے عزیز تر بنا دیا۔ قرآن کریم میں انصار کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

وَالَّذِينَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال ۱۰)

ترجمہ:۔ "اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں ان کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔"

انصار دو قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک کا نام "خزرج" اور دوسرے کا

نام" اوس" تھا۔ اوس وخزرج مدینہ میں کب آباد ہوئے۔ طلوع اسلام سے قبل ان کا مذہب اور تمدن کیسا تھا یہ ایک طویل داستان ہے جو ہماری کتاب کا موضوع نہیں۔ تاہم اس کے اجمالی تذکرہ کے بغیر چارہ بھی نہیں کیونکہ قبیلہ بنو نجار جس کے سرداروں میں حضرت ابو ایوبؓ تھے "انصار" ہی کی ایک شاخ تھا۔ طلوع اسلام سے قبل اوس وخزرج کی تاریخ و تمدن کے مختلف پہلوؤں پر ہم یہاں نہایت مختصر الفاظ میں روشنی ڈالیں گے۔

(۴)

مدینہ کے قدیم باشندے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مدینہ کو عمالیق (یا عمالقہ) نے ۱۶۰۰ سنہ ق م اور ۲۲۰۰ سنہ ق م کے درمیان آباد کیا تھا۔ عمالیق کا سلسلہ نسب عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام سے ملتا ہے[1]۔ یہ لوگ تمام ملک عرب میں پھیل گئے تھے۔ بحرین عمان اور حجاز سے لے کر شام اور مصر تک ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ مدینہ میں ان کے جو قبائل آباد ہوئے ان کا نام بنو ہفان۔ سعد بن ہفان اور بنو مطرویل تھا۔ ایک اور قول کے مطابق یثرب کو قانیہ بن مہلابیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ نے آباد کیا۔

---

[1] قبائل بائدہ کے سلسلۂ نسب کے متعلق علمائے انساب کی رائیں باہم اس قدر متعارض ہیں کہ کسی ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دینا بے حد مشکل ہے۔ ہم نے جو سلسلۂ نسب نقل کیا ہے یہ معجم البلدان (یاقوت حموی) سے لیا گیا ہے۔ دو دوسرے مورخین نے یہ سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

(۱) عمالیق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ (معارف ابن قتیبہ) (۲) عملیق بن لاوذ بن سام بن نوحؑ (قلقشندی)

عمالیق کے بعد یہود مدینہ میں آکر آباد ہوئے۔ وہ کن حالات میں مدینہ پہنچے اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک فوج حجاز کی طرف روانہ کی اور اسے ہدایت کی کہ جو لوگ یہودی مذہب قبول کریں سوائے ان کے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑنا چنانچہ اس فوج نے عمالیق کو شکست دے کر ارض حجاز پر قبضہ کر لیا اور ان کی ایک کثیر تعداد مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہو گئی۔ ایک مدت کے بعد رومیوں نے شام پر فاتحانہ یلغار کی اور یہودیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مشہور یہودی قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر اس وقت شام میں آباد تھے وہ اس قتل عام سے بچنے کے لیے شام سے بھاگ کر حجاز چلے آئے اور اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ آباد ہو گئے

ایک اور مشہور روایت یہ ہے کہ علمائے یہود نبی آخر الزماں کی آمد پر یقین رکھتے تھے اور تورات کے ذریعہ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں کا دار الہجرت ایک ایسا شہر ہوگا جو دو پتھریلی زمینوں کے درمیان نخلستان سے گھرا ہوا ہوگا۔ چنانچہ ایسے شہر کی تلاش میں وہ اپنے آبائی وطن شام سے نکلے۔ اپنی سمجھ کے مطابق جس قبیلہ نے کسی شہر یا بستی کو ان خصوصیات کا حامل پایا وہیں آباد ہو گیا۔ بعض تیما کے نخلستانوں میں آباد ہو گئے بعض نے خیبر کو اپنا مسکن بنایا اور ایک کثیر تعداد یثرب میں اقامت گزیں ہو گئی۔ طبری کے بیان کے مطابق یہودی بخت نصر کے حملہ کے وقت شام سے حجاز آئے۔ بہر صورت عمالیق کے بعد یہود نے مدینہ اور اس کے نواحی علاقوں پر دور دور تک شاہانہ اقتدار قائم کر لیا تھا۔ انہوں نے جگہ جگہ قلعے بنا لیے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے۔ آل و اولاد اور دولت کی کثرت میں کسی دوسرے قبیلے کو ان سے ہمسری کا یارا نہ تھا۔ قطع نظر اس کے کہ یہ لوگ اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی المذہب عرب تھے ان کے اقتدار اور

تمول میں کسی کو کلام نہیں۔

(۵)

اوس و خزرج کی مدینہ میں آمد

عین اس وقت جب مدینہ سے لے کر حدودِ شام تک یہود کے اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ اوس و خزرج نام کے دو قبائل کا ورود مدینہ میں ہوا۔ عرب مؤرخین نے عام طور پر اوس و خزرج کو قحطانی النسل لکھا ہے۔ لیکن تازہ ترین تحقیق کے مطابق اوس و خزرج قحطانی نہیں بلکہ اسمٰعیلی تھے۔ اور نابت بن اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن جلد دوم میں اور مولانا سعید انصاری نے سیر انصار جلد اوّل میں نہایت ٹھوس دلائل سے اوس و خزرج کو اسماعیلی (آلِ اسمٰعیلؑ) ثابت کیا ہے۔ نابت (نابط) بن اسمٰعیلؑ کی وفات کے بعد ان کی اولاد عرب میں مختلف حصوں میں پھیل گئی۔ آلِ اسمٰعیل کی متعدد شاخوں میں ایک شاخ "ازد" یا اسد کے نام سے موسوم ہوئی۔ قبیلہ ازد کسی نامعلوم زمانہ میں یمن جاکر آباد ہو گیا تھا۔ یمن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا جسے قرآن میں "سیلِ عرم" کا نام دیا گیا ہے۔ تو قبیلہ ازد نے یمن سے کوچ کیا۔ اس وقت اس قبیلہ کا رئیس عمرو بن عامر تھا (جو مزیقیاء کے لقب سے مشہور ہے) اسی مزیقیاء کے پڑپوتے دو بھائی اوس و خزرج تھے۔ انصار کے تمام خاندان انہی اوس و خزرج پر جاکر مل جاتے ہیں (بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اوس و خزرج کا ایک تیسرا بھائی عدی بھی تھا۔ لیکن اس کی اولاد اوس و خزرج میں ضم ہو گئی) ازدی قبائل یمن سے نکل کر شام، عراق، نجد، عمان، یمامہ، بحرین اور عرب کے دوسرے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔ ان قبائل کی ایک شاخ ثعلبیہ میں مقیم ہوئی۔ جب اس کی تعداد میں اضافہ ہوا تو وہ ثعلبیہ کی سکونت ترک کر کے یثرب

میں آکر آباد ہو گئے یہی قبائل اوس و خزرج تھے جو بعد میں انصار کہلائے۔ شروع شروع میں ان لوگوں نے نہایت عسرت کے ساتھ محکومانہ زندگی بسر کی۔ یہود سے حلیفانہ تعلقات قائم کر کے انہوں نے بھی اپنے قلعے اور مکانات بنا لئے۔ ایک عرصہ تک وہ یہود بنو قریظہ و بنو نضیر کو خراج دیتے رہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

نؤدی الخرج بعد خراج کسریٰ　　　وخرج بنی قریظہ والنضیر

صاحب "ارض القرآن" نے اس دور کے اوس و خزرج اور یہود کا موازنہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اوس و خزرج گو بدویانہ زور و قوت میں ان (یہود) سے زیادہ تھے۔ لیکن سامان دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں ان سے فروتر تھے۔ اس بنا پر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اس سے مذہبی اثر بھی پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اوس و خزرج نذر مانتے تھے کہ بچہ جیتا رہا تو یہودی بنا دوں گا۔"

غرض ایک مدت تک یہی حالت رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ اوس و خزرج کی اولاد اور مال و دولت میں ترقی ہونے لگی اور ان میں آزادی اور خودسری کے جذبات ابھرنے لگے۔ دوسری طرف یہود بھی چوکنے ہو گئے اور دونوں قوموں میں ایک دوسرے کے متعلق بداعتمادی پیدا ہو گئی۔ یہ اس کشمکش کا نقطۂ آغاز تھا۔ جو آگے چل کر یہود کے شاہانہ زور و قوت کی تباہی پر منتج ہوئی۔ اس کا موقع خود یہود نے فراہم کر دیا۔ مؤرخین نے اس کے متعلق ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔

جس کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے۔

(۶)

یثرب کے یہودیوں کی تباہی

جس زمانہ کے ہم حالات بیان کر رہے ہیں اس زمانہ میں اوس و خزرج کا سردار مالک بن عجلان تھا اور یہود کا سردار فیطوان یا فیطون تھا۔ فی الحقیقت وہ اوس و خزرج اور یہود دونوں قوموں کا حاکم تھا۔ کیونکہ معاہدہ کے مطابق اوس و خزرج اس کی بالادستی تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ یہ شخص نہایت جابر اور بدکار تھا۔ اس نے حکم دیا کہ یثرب کی جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے وہ اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک رات اس کے عشرتکدہ میں بسر کرے۔ یہود نے تو اس حکم کو گوارا کر لیا لیکن اوس و خزرج کی ایک غیور لڑکی نے اپنے خاندان کی غیرت اور حمیت کے خوابیدہ جذبے کو بری طرح جھنجھوڑا۔ یہ لڑکی مالک بن عجلان رئیس اوس و خزرج کی حقیقی بہن تھی۔ اتفاق سے انہی ایام میں اس لڑکی کی شادی ہوئی۔ رخصتی کا وقت آیا تو وہ اپنی پنڈلیوں کو عریاں کر کے بھری مجلس میں آ گئی۔ مالک بن عجلان اسے اس حالت میں دیکھ کر سخت غضبناک ہوا اور بہن کو ملامت کی۔ اس غیور لڑکی نے بھائی کو جواب دیا۔

"آج کی رات کو جو کچھ پیش آنے والا ہے کیا تمہیں اس پر غیرت نہیں آتی۔ تم میری عریاں پنڈلیاں تو نہیں دیکھ سکتے لیکن تمہیں یہ گوارا ہے کہ تمہاری بہن اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے ایک غیر شخص کے پاس رات گزارے۔"

بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر مالک بن عجلان سکتے میں آ گیا۔ اس کا قومی جذبۂ غیرت

بیدار ہو گیا اور اس نے اپنی ناموس کے لیے جان پر کھیلنے کا تہیہ کر لیا اور بالآخر یہ طے پائی کہ بنتِ عجلان رات کو جب سہیلیوں کے ہمراہ فطیون کی خلوت گاہ میں جائے تو مالک بھی زنانہ لباس میں اس کی سہیلیوں میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ رات کو مالک بھی زنانہ لباس میں بہن کے ہمراہ فطیون کے محل میں داخل ہو گیا اور موقع پا کر فطیون کو تلوار کے ایک ہی وار سے جہنم واصل کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں کی نظر بچا کر محل سے باہر نکلا اور مخفی طور پر شام کے غسانی بادشاہ ابو جبیلہ کے پاس بھاگ گیا۔ بنو غسان اور اوس و خزرج ہم نسب تھے۔ مالک نے جب یثربی یہودیوں کے ظلم و ستم کی داستان ابو جبیلہ کو سنائی تو اس کی نسبی اور قبائلی غیرت حرکت میں آ گئی اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک یثرب کے یہودیوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچا لے گا ہر قسم کے عیش سے مجتنب رہے گا۔ چنانچہ غسانیوں کا ایک جرار لشکر ابو جبیلہ کی سرکردگی میں یثرب کے قریب ذی حرض کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ یہودی ابو جبیلہ کے عزائم سے آگاہ نہیں تھے اور عام حملہ کی صورت میں ان کے قلعہ بند ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے اس نے حیلہ سے کام لیا۔ پہلے دن اوس و خزرج کے رؤسا کی دعوت کی اور ان کو گرانقدر انعامات سے نوازا۔ دوسرے دن اس نے صلہ و انعام کی توقع دلا کر روسائے یہود کی دعوت کی۔ جب وہ سب آ گئے تو ان کو ایک خیمہ کے اندر لے جا کر قتل کر دیا۔ یہ پہلا دن تھا کہ یہود کا زور ٹوٹا اور اوس و خزرج نے مدینہ میں اقتدار حاصل کیا۔

(۷)

ایام الانصار | اوس و خزرج (یعنی انصار) کے زمانۂ جاہلیت اور خانہ جنگیوں کو "ایام الانصار" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مدینہ میں زیر اقتدار آنے

کے بعد اوس و خزرج کثیر مال و جائداد کے مالک ہوئے اور انہوں نے نہایت کثرت سے قلعے بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بڑی برکت دی۔ یہود کے اقتدار کے زمانہ میں وہ ایک ہی جگہ آباد تھے ان کا زور ٹوٹ جانے پر یثرب کے مختلف حصوں میں دور دور تک پھیل گئے اور ان کی مختلف شاخوں نے اپنے محلے آباد کر لیے۔ ہر قبیلہ نے متعدد قلعے تعمیر کئے۔ ان کی مجموعی تعداد اسی اور نوّے کے درمیان تھی۔ اوس و خزرج کی مختلف شاخوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اوس

اوس کا صرف ایک بیٹا تھا۔ مالک۔ اس کی اولاد ان شاخوں میں تقسیم ہو گئی۔

(۱) عمرو بن مالک ــ بنیت ــ عبدالاشہل ــ بنو ظفر
(۲) عوف بن مالک ــ بنو عمرو بن عوف (اہل قبا) بنو جحبی
(۳) جشم (یا عبداللہ) بن مالک ــ بنو خطمہ
(۴) امرٔ القیس بن مالک ــ بنو واقف
(۵) مرہ بن مالک ــ بنو سعد ــ بنو عامر ــ امیہ ــ وائل اور عطیہ

خزرج

خزرج کے پانچ بیٹے جشم ــ عوف ــ حارث ــ عمرو اور کعب تھے۔ ان کی اولاد حسب ذیل ہے۔

(۱) جشم بن خزرج۔ بنو زید ــ بنو سلمہ ــ بنو بیاضہ
(۲) عوف بن خزرج۔ بنو الحبلیٰ (قبیلہ عبداللہ بن ابی راس المنافقین) بنو نوافل ــ بنو سالم
(۳) حارث بن خزرج۔ جشم ــ زید ــ عوف۔ عوف سے خدرہ اور خدارہ

(۴) عمرو بن خزرج — بنو نجار (حضرت عبد المطلب کے ننھیالی لوگ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کا قبیلہ)

(۵) کعب بن خزرج — بنو ساعدہ (ان کا سقیفہ مشہور ہے۔ رئیس الانصار حضرت سعد بن عبادہ رضؓ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔)

مدینہ میں عروج و اقتدار حاصل کرنے کے بعد اوس و خزرج کی تمام شاخیں عرصہ تک باہم متحد رہیں اور اپنی متحدہ طاقت کے بل بوتے پر نہایت دم خم سے زندگی بسر کی۔ اس کے بعد قبل اسلام کے عرب کی بدویانہ فطرت کے مطابق ان کے درمیان خانہ جنگیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو ایک سو بیس برس تک جاری رہا۔ اس کی ابتداء جنگ سمیر سے ہوئی اور اختتام جنگ بُعاث پر ہوا۔ دوسری مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں۔

جنگ کعب بن عمرو۔ جنگ سرارۃ۔ جنگ حصین بن اسلت۔ جنگ ربیع جنگ بقیع۔ حرب فارع۔ حرب حاطب۔ جنگ فجار اوّل۔ جنگ فجار ثانی۔ جنگ معلس۔ جنگ مضرس۔

ان کے علاوہ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ اوس و خزرج کی اس طویل باہمی آویزش میں ان کی متحدہ طاقت بالکل پاش پاش ہو گئی اور دونوں خاندانوں کے اکثر نامور لڑ لڑ کر مر گئے۔ "ایام الانصار" کی آخری لڑائی "جنگ بُعاث" ہجرت نبوی سے صرف پانچ سال قبل واقع ہوئی۔ "بعاث" مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک مقام تھا۔ اس مقام پر اوس و خزرج کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں یہودیان بنو قریظہ اور بنو نضیر نے "اوس" کا ساتھ دیا اور قبائل اشجع اور جہینہ

نے خزرج کی مدد کی۔ جانبین نہایت ثابت قدمی سے لڑے لیکن آخر میں اوس اور ان کے حلیفوں پر ہزیمت کے آثار طاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سپہ سالار حضیر الکتائب بن سماک (جو مشہور صحابی حضرت اُسیدؓ کا باپ تھا) میدان جنگ میں گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور از سرِ نو اپنے قبیلہ میں ایسی جنگی روح پھونکی کہ بھاگتے ہوئے اوسیوں کے قدم جم گئے اور انہوں نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ خزرجیوں کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ خزرج کا سردار عمرو بن نعمان بیاضی میدانِ جنگ میں کام آیا حضیر بھی شدید مجروح ہو گیا اور بعد میں اسی جنگ کے زخموں کی وجہ سے مر گیا۔ اس لڑائی نے اوس و خزرج کو اس قدر ضعیف اور درماندہ کر دیا کہ ان میں کسی اور جنگ کی سکت نہ رہی۔ تھک ہار کر وہ قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول کو متفقاً اپنا بادشاہ اور "یثرب کا تاجدار" بنانے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی اثناء میں اسلام کے خورشید جہاں تاب کا طلوع ہوا جس نے اوس و خزرج کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور وہ "انصار" کے نام سے متحد اور یکجان ہو کر اسلام کے پر زور دست باز دبنے۔

اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ "جنگِ بعاث" مدینہ منورہ میں شجرِ اسلام کی بار آوری کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ

"جنگِ بعاث کو خدا نے اپنے رسولؐ کے لیے کرایا تھا۔ چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انصار کے عمائد افتراق و انتشار میں مبتلا تھے۔ ان کے رؤسا قتل ہو چکے تھے اور انصار نہایت ضعیف اور درماندہ ہو چکے تھے۔ اس لیے یہ دن خدا نے اپنے رسولؐ

پر انصار کے ایمان لانے کے لیے بھیجا تھا"

زمانہ جاہلیت میں انصار کا تمدّن

بنو اسمٰعیل میں نبطیوں کو سب سے زیادہ متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اوس و خزرج بھی چونکہ نبطی الاصل تھے۔ اس لیئے تہذیب و تمدّن کے معاملہ میں وہ قبل از اسلام عرب کے اکثر دوسرے قبائل سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ وہ عہدِ قدیم سے جمہوری اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی قیادت ایک سردار اور ایک سپہ سالار کے سپرد ہوتی تھی جنہیں وہ باہم مشورے اور اتفاق سے منتخب کرتے تھے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ان دونوں عہدوں کی ذمہ داریاں ایک ہی شخص کو تفویض کر دی جاتیں۔ جب تک اوس و خزرج میں باہم اتحاد رہا۔ ان کا سردار بالعموم قبیلہ خزرج سے ہوتا تھا۔ لیکن جب ان میں تشتت و افتراق کا دور دورہ ہوا تو دونوں قبائل اپنا سردار الگ الگ منتخب کرنے لگے۔ خزرج کی قیادت بنو ساعدہ کے حصے میں آئی اور اوس کی سیادت خاندان عبدالاشہل کے حصے میں۔ سپہ سالاری کے عہدے کا بھی یہی حشر ہوا۔ لیکن بات یہیں تک ختم نہ ہوئی۔ ان بڑے قبائل کے اپنے اندر بھی تفریق پیدا ہو گئی اور ان کی تمام شاخوں نے اپنے الگ الگ رئیس چن لیے۔ جنگ بعاث کے بعد جب دونوں قبائل کا ضعف انتہا کو پہنچ گیا تو انہوں نے اپنے قدیم نظام کی طرف لوٹنا چاہا اور سب نے باہمی رضامندی سے قبیلہ خزرج کے ایک صلح کل اور غیر جانبدار شخص عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن طلوع اسلام نے حالات کا رُخ بالکل دوسری طرف پھیر دیا۔

اوس و خزرج نے باہمی منازعات کے باوجود مدینہ کو ایک چھوٹی سی ریاست کی حیثیت دے رکھی تھی۔ انہوں نے بکثرت قلعے تعمیر کئے ہوئے تھے اور اپنے اپنے محلوں

کے گرد چہار دیواریاں بنا رکھی تھیں ان کے علاوہ ایک بڑی چار دیواری سے سارا شہر گھرا ہوا تھا جسے "سور مدینہ" کہا جاتا تھا۔ شہر کی آبادی نہایت گنجان تھی اور اپنی گنجان آبادی قلعوں اور فصیلوں کی وجہ سے وہ ایک مضبوط قلعہ بن گیا تھا۔ اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ کو "درع حصینہ" یعنی مضبوط زرہ کا خطاب عطا فرمایا۔

اوس و خزرج کے عسکری نظام کی تاریخ میں کسی باقاعدہ فوج کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کہ ضرورت کے وقت دونوں قبائل کا ہر شخص سپاہی بن جاتا تھا۔ لڑائیاں کسی خاص نظام کے ماتحت نہیں لڑی جاتی تھیں بلکہ متحارب فریق میدان جنگ سے بھاگ کر اپنے محلے میں چلا جاتا تو عام طور پر اس کا تعاقب نہ کیا جاتا۔ لڑائی کا تماشہ دیکھنے والے لوگوں سے کوئی فریق تعرض نہ کرتا تھا۔ لڑائیوں میں استعمال ہونے والے ہتھیار انصار خود بناتے تھے یا یہود سے خریدتے تھے جو ہتھیار سازی کے ماہر تھے۔ انصار اپنے مردوں کو دفناتے تھے اور اس مقصد کے لیے مدینہ کے مختلف حصوں میں انہوں نے کئی قبرستان بنا رکھے تھے۔

انصار کے معاش کا انحصار کلیتہً زراعت پر تھا۔ وہ زمینیں کاشت کرتے تھے اور باغات لگاتے تھے۔ مدینہ کی زمین زرخیز تھی اس لیے معاشی لحاظ سے انصار عام طور پر خوشحال تھے۔ بعض لوگوں نے تجارت کو بھی ذریعۂ معاش بنایا تھا۔ لیکن تجارت کا میدان عام طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ میں ان کے متعدد بازار تھے۔ انصار نے بھی ان سے علیحدہ چند بازار قائم کر لیے تھے۔ تجارت عام طور پر اشیاء کے تبادلہ کے ذریعہ ہوتی تھی کیونکہ مدینہ میں سکہ کا رواج نہیں تھا۔

انصار میں صنعت و حرفت کا رواج شاذ و نادر ہی تھا۔ البتہ بعض لوگوں نے

بافندگی، نجاری، حجام اور قصاب وغیرہ کے پیشوں کو اختیار کر رکھا تھا۔

انصار میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا اور وہ عام طور پر جاہل تھے۔ البتہ کچھ لوگ عربی میں لکھ پڑھ لیتے تھے۔ ان میں کچھ آدمی عبرانی بھی جانتے تھے۔ کئی لوگ تیراکی اور فنون حرب کے ماہر تھے اور نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انصار رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی دلچسپی لیتے تھے انہوں نے مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں کئی پل بنائے تھے۔ پانی کی سبیلیں قائم کرنا ان کے نزدیک نہایت ثواب کا کام تھا۔ عام اہلِ عرب کی طرح انصار بھی بیحد مہمان نواز تھے۔ ایفائے عہد کو جان سے بڑھ کر عزیز جانتے تھے۔ طہارت کے معاملہ میں وہ دوسرے تمام اہل عرب سے ممتاز تھے اور نجاست دور کرنے کے لیے ڈھیلوں کے ساتھ پانی بھی استعمال کرتے تھے۔ نکاح اور وراثت کے معاملات میں ان کا اخلاق بہت پست تھا۔ سوتیلی ماؤں سے شادی جائز سمجھتے تھے اور آبائی جائدادوں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں دیتے تھے۔

(۸)

اسلام سے پہلے انصار کا مذہب

برکاتِ اسلام سے سعادت اندوز ہونے سے قبل انصار کی مذہبی حالت عام اہلِ عرب سے چنداں مختلف نہ تھی وہ پرلے درجے کے جاہل اور بت پرست تھے۔ "السیرۃ النبویہ" میں ابنِ ہشام لکھتے ہیں۔

"اوس و خزرج مشرک تھے۔ بتوں کے پرستار تھے جنت، دوزخ، بعث و نشر قیامت، کتاب، حلال و حرام سے ناواقف تھے۔"

زمانۂ قدیم میں اوس و خزرج "لات" کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کا مخصوص

بت "مناۃ" ہو گیا۔ مناۃ کی ایک سنگی مورت ساحل بحر احمر کے قریب ایک پہاڑ "مشلل" پر نصب تھی۔ اور تمام اوس و خزرج، آل غسان اور کئی دوسرے عرب قبائل اس کو پوجتے تھے۔ زمانہ جاہلیت کے حج میں اوس و خزرج تو احرام اتارنے کی رسم بھی یہیں ادا کرتے تھے۔ لات، عزّیٰ اور اہل عرب کے دوسرے بتوں کی طرح اوس و خزرج کے نزدیک "مناۃ" بھی ایک دیبی (دیوی) تھی۔ وہ فرشتوں کو بھی دیبیاں سمجھتے تھے اور تمام نظام قدرت کو عورتوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ قرآن کریم میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا (نساء)

(خدا کو چھوڑ کر یہ عورتوں کو پکارتے ہیں)

صاحب معجم البلدان کا بیان ہے کہ "مناۃ پتھر کی ایک چٹان تھی اور تمام ازدی قبائل (جن میں اوس و خزرج بھی شامل تھے) اور آل غسان اس کو پوجتے تھے اور اس پر چڑھاوے چڑھاتے تھے"

اوس و خزرج مناۃ کے لکڑی کے بت بنا کر اپنے گھروں میں رکھتے تھے یثرب کے بہت کم گھر ایسے تھے جن میں مناۃ کا چوبی بت موجود نہ ہو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے گھر البتہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ مناۃ کے علاوہ اوس و خزرج کچھ دوسرے بتوں قیس عزّیٰ، ود وغیرہ کی بھی پوجا یا تعظیم کرتے تھے۔ انہوں نے ایک بت خانہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ ایک شخص اس بت خانہ کے انتظام اور نگرانی پر مقرر ہوتا تھا۔ طلوع اسلام کے وقت مدینہ کے بڑے بت خانہ کا متولی عمرو بن قیس نامی ایک شخص تھا۔ (بعض روایات میں ہے کہ یثرب میں ایک نہیں بلکہ متعدد بت خانے تھے) اوس و خزرج

کے نزدیک "مناۃ" قضا و قدر کی دیوی تھی اور ہر قسم کا نفع و نقصان اس کے اختیار میں تھا۔

قبل از اسلام انصار کا عمومی مذہب اگرچہ بت پرستی تھا۔ تاہم ان میں سے کچھ لوگوں نے یہودیت اور عیسائیت کے دامن میں پناہ لی تھی۔ یہودیوں سے تو وہ خاص طور پر متاثر تھے کیونکہ وہ تعلیم یافتہ اور منظم لوگ تھے اور انہوں نے مدینہ میں کئی علمی مدارس قائم کر رکھے تھے جہاں توریت کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار میں سے اگر کسی شخص کی اولاد زندہ نہ بچتی تھی تو وہ منّت مانتا تھا کہ اگر بچّہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بنا دوں گا۔

بعض لوگ دینِ حنیفی کے بھی قائل تھے اس کا ذکر آگے آئے گا۔ انصار حج بیت اللہ اور قربانی کے قائل تھے۔ یثرب سے ہر سال بیسیوں لوگ حج کے لیے مکّہ جاتے۔ حج کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے "جبل مُشلّل" پر جاتے اور وہاں "مناۃ" کے سامنے نماز پڑھتے پھر عازمِ مکّہ ہوتے۔ منیٰ کی گھاٹی کے قریب قیام کرتے۔ صفا اور مروہ کا طواف کرتے اور حج کی دوسری رسومات ادا کر کے پھر جبل مشلّل پر جا کر مناۃ کے سامنے سر منڈواتے۔ اور قربانی کرتے۔

حج کے ایّام میں ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے۔ اشہرِ حرم کی دل سے عزّت کرتے تھے۔ ان میں نماز کی بھی ایک بگڑی ہوئی صورت موجود تھی۔ جھاڑ پھونک پر یقین رکھتے تھے۔ اور کئی لوگ سانپ بچھو وغیرہ کے کاٹے کا علاج جھاڑ پھونک کے ذریعہ کرتے تھے۔ ان کی اخلاقی حالت قریش مکّہ اور عرب کے دوسرے قبائل کی نسبت قدرے بہتر تھی۔ فواحش کو برا جانتے تھے اور اخلاقی جرائم کا کسی نہ کسی صورت میں محاسبہ کرتے تھے۔

صبحِ سعادت کا طلوع

(۱)

نبیٔ آخر الزماں کا انتظار

پیچھے ذکر آچکا ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل اگرچہ انصار یکسر جاہل اور بت پرست تھے تاہم وہ یہود کے علمی تفوق سے ضرور متاثر تھے۔ یہود میں اگرچہ بیسیوں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں اور وہ بعض مشرکانہ عقائد میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ تمدنی اور علمی لحاظ سے بڑے منظم تھے۔ مال و دولت کی ان کے پاس فراوانی تھی اور یثرب سے شام تک بڑے سرسبز اور شاداب مقامات ان کے قبضے میں تھے۔ یثرب کے یہودی اوس و خزرج میں افتراق کے باوجود ان سے سیاسی ہمسری کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے تھے البتہ ان کی جہالت اور بت پرستی کی وجہ سے انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہودی بہرصورت اہلِ کتاب ہونے کے مدعی تھے اور بت پرستی سے اجتناب کرتے تھے۔ انہوں نے مدینہ میں ایک "بیت المدارس" قائم کر رکھا تھا۔ جہاں یہودی علماء توراۃ اور اپنی دوسری مذہبی کتابیں عربی میں ترجمہ کر کے اہلِ مدینہ کو سنایا کرتے تھے۔ یہودیوں کے

مذہبی صحیفوں میں ایک اور پیغمبر (نبیٔ آخر الزماں) کی آمد کی پیشنگوئی واضح طور پر موجود تھی۔[1] یہودی نہ صرف خود اس پیشین گوئی میں یقین رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اس سے اوس و خزرج کے کانوں کو بھی آشنا کر دیا تھا۔ چنانچہ ظہور اسلام سے قبل نہ صرف یہود بلکہ انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے منتظر تھے۔ لیکن فلک شعبدہ باز کی نیرنگیوں کو دیکھئے کہ جب وہ پیغمبر موعودؐ رونق افروز عالم ہوئے تو وہی یہود جو ان کی آمد کی پیشنگوئی کو عام کرنے والے تھے۔ ان کے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے۔ یہ سعادت تو قسام ازل نے "بت پرست اور جاہل" اوس و خزرج کے مقدر میں لکھ رکھی تھی ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

قرآن حکیم میں یہودیوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا (بقرہ)

"وہ (رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے) کفار کے مقابلے میں فتح کی تمنا کیا کرتے تھے۔"

یہاں "فتح کی تمنا کرنے" سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک نبی کے آنے کی تمنا اور دعا کر

---

[1] (۱) خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر جلوہ گر ہوا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت ہوگی (استثناء ۲۳-۲ توراۃ)

(۲) میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں تجھ (موسیٰؑ) سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اس سے میں کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا۔ (استثناء ۱۸-۱۹ توراۃ)

رہے تھے کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں لکھا ہوا تھا کہ جب نبیٔ آخرالزماں مبعوث ہوگا تو اس کی برکت سے (اگر تم نے اس کا ساتھ دیا تو) کفار و مشرکین پر فتح حاصل کرو گے ۔ چنانچہ وہ انصارِ مدینہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے وہ ہمارا نجات دہندہ ہوگا اور ہم اس کی پیروی کر کے تم پر غالب آئینگے یہود کی انہی باتوں کی وجہ سے انصار میں بھی نبیٔ آخرالزماں کی آمد کا چرچا عام ہوگیا تھا ۔ لیکن یہود کی تیرہ بختی اور نامرادی دیکھیئے کہ جب وہ پیغمبر موعود رحمۃٌ للعالمین بن کر تشریف لائے تو یہود نے ان کو ماننے سے یکسر انکار کر دیا ۔ سورۂ فاطر میں یہود کی اسی بدبختی کی طرف اشارہ ہے :۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۵

جب ان کے پاس ایک ڈرانے والا (پیغمبر) پہنچا (جس کے وہ خواہشمند اور منتظر تھے) تو وہ الٹے اس سے بدک کھڑے ہوئے ۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں ہے :۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ

جب ان کے پاس وہ چیز آگئی جس کو انہوں نے خوب جانا پہچانا بھی تو اس کے ماننے سے انکار کر دیا ۔

یہود کی طرح مدینہ کے عیسائی بھی ایک پیغمبر موعود (وہ نبی) کے منتظر تھے جو یہود سے ان کے مظالم کا بدلہ لینے والا اور عیسائیوں کو تمام اقوام پر غالب کرنے والا ہوگا ۔ لیکن پیغمبر موعودؐ کی آمد پر وہ بھی اس کے قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہے ۔

(۲)

سوید الکامل

انصار کے زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا ایک شخص "سوید بن صامت" مدینہ میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ وہ نہایت وجیہہ اور شجاع آدمی تھا۔ اور نہ صرف فنونِ حرب کا ماہر تھا بلکہ پڑھنا لکھنا بھی جانتا تھا اور ایک فصیح البیان شاعر تھا۔ ان خوبیوں کی بدولت وہ انصار میں "کامل" کے لقب سے مشہور تھا۔ سوید کو کہیں سے "امثالِ لقمان[1]" کا ایک نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ اسے پڑھ کر اس نے بہت سے اسرارِ حکمت سیکھے اور توحید سے آشنا ہو گیا۔ سوید اس نسخے کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا اور اس میں مندرج ہدایات پر عمل کرنے کو باعث سعادت و نجات جانتا تھا۔ سوید کی شخصیت اور عقائد کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی حتیٰ کہ اہل مکہ میں بھی وہ ایک جانی پہچانی شخصیت بن گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ حج کے لیے مکہ گیا۔ اس وقت ہادیٔ اکرمؐ مبعوث ہو چکے تھے۔ آپؐ نے سوید کی آمد کا حال سنا تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے دعوتِ حق دی۔

سوید نے کہا۔ "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے۔" حضورؐ نے پوچھا۔ "تمہارے پاس کیا ہے؟"

سوید نے جواب دیا۔ "صحیفۂ لقمان"

---

[1] لقمان زمانۂ قدیم کے ایک مشہور حکیم کا نام ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ پیغمبر تھے لیکن جمہور مسلمین کے نزدیک وہ خدا کے ایک نیک اور برگزیدہ بندے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کے متعلق ارشاد ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (اللہ تعالیٰ) ہم نے لقمان کو حکمت)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضورؐ نے فرمایا "مجھے پڑھ کر سناؤ" سوید نے اس کا کچھ حصہ سنایا تو حضورؐ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں۔ سوید ان سے بڑا متاثر ہوا اور اسلام سے بہت قریب ہو گیا جب وہ مدینہ واپس گیا تو وقتاً فوقتاً اہلِ مدینہ کے سامنے اسلام کا چرچا کرنے لگا۔ اس کے میلانِ خاطر کا انصار پر کافی اثر پڑا۔ بدقسمتی سے تھوڑے ہی عرصہ بعد (جنگِ بعاث سے قبل) وہ خزرج کے ایک نوجوان[۲] کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (بعض روایتوں میں ہے کہ سوید جنگِ بعاث میں مقتول ہوا) اگر وہ زندہ رہتا تو شاید اسلام کا ایک

(بقیہ) قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام بھی "لقمان" ہے۔ اس میں ان کی زندگی سے متعلق کچھ اجمالی اشارے ہیں۔ کہتے ہیں کہ لقمان حبش کے رہنے والے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ آزاد ہوئے تو اپنی زندگی تحصیلِ علم کے لیے وقف کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم حکمت سے بہرہ ور کیا۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ لقمان اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسرارِ حکمت سیکھتے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چار ہزار نصائح کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ یہی مجموعہ "صحیفۂ لقمان" یا امثال لقمان" کے نام سے مشہور ہے۔
حضرت لقمان فرماتے تھے کہ خدا اور موت کو ہر حال میں یاد رکھنا چاہیے۔ اس کے برعکس کسی پر احسان کر کے کبھی یاد نہیں رکھنا چاہیئے اور نہ لوگوں کی ایذا رسانی کا خیال کبھی دل میں لانا چاہیئے۔
حضرت لقمان آخری عمر میں رملہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک مقام پر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ انہوں نے بڑی طویل عمر کے بعد وفات پائی۔ (اسلامی سائیکلوپیڈیا ــــ منشی محبوب عالم)

[۲] سوید بن صامت کے قاتل کا نام مجذر بن زیاد انصاریؓ ہے۔ وہ خزرج کے قبیلہ بلی سے تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ حالتِ اسلام میں مکہ کا نیک دل رئیس ابو البختری بھی اتفاقیہ ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رسولِ اکرمؐ نے اس کے مارنے کی ممانعت فرمائی تھی کیونکہ بنی ہاشم سے مقاطعہ

قوی دست دبازو ثابت ہوتا۔ ایک روایت کے مطابق سوید مسلمان مرا۔ سوید حالت اسلام میں مرا یا نہیں بہرحال اس کے ذریعہ انصار کے کانوں میں اسلام کی بھنک ضرور پڑ گئی۔

(۳)

ارض یثرب کا پہلا مسلمان

"ایام الانصار" میں اوس نے معبس اور مضرس کی جنگوں میں خزرج سے پے درپے شکستیں کھائیں تو وہ گھبرا گئے اور ایک وفد مرتب کر کے خزرج کے خلاف قریش کو اپنا حلیف بنانے کے لیے مکہ پہنچے۔ اس وفد میں ایک سعید الفطرت شخص ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اکرمؐ کو مکہ میں ان لوگوں کی آمد کا حال معلوم ہوا تو آپ تبلیغ حق کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضورؐ نے ان کے سامنے قرآن حکیم کی چند آیات پڑھیں تو ایاس کا دل پگھل گیا اور وہ بے اختیار پکار اٹھے:۔

"میرے بھائیو! جس کام کے لیے ہم یہاں آئے ہیں یہ کام (یعنی قبول اسلام) اس سے یقیناً بہتر ہے۔"

وفد کا امیر ایاس کی بات پر بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر

کا معاہدہ در کعبہ سے اتروانے میں اس نے بڑا کام کیا تھا۔ مجذرؓ نے رسول اکرمؐ کو قسم کھا کر بتایا کہ ابوالبختری اپنے ایک ساتھی کو بچانے کے لیے خود مجھ سے لڑا ورنہ میں اسے ہرگز نہیں مارنا چاہتا تھا۔
حضرت مجذرؓ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور اتفاق دیکھئے کہ وہ ایک نام نہاد مسلمان کی تیغ ستم کا شکار ہو گئے۔ یہ شخص سوید بن صامت کا بیٹا حارث تھا۔ اس نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے انھیں شہید کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اکرمؐ نے اسے حضرت مجذرؓ کے قصاص میں قتل کرا دیا۔

ایاس کے منہ پر ماریں اور کہنے لگا۔ "تیرا برا ہو ہم اس کام کے لیے یہاں نہیں آئے۔"
ایاس اس وقت خاموش ہو گئے لیکن مدینہ پہنچ کر وہ اعلانیہ رب واحد کی بڑائی اور پاکیزگی بیان کرنے لگے اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانے لگے۔ ان کا قبیلہ سمجھ گیا کہ ایاس مسلمان ہو چکے ہیں۔ افسوس کہ سعید الفطرت ایاس نے ہجرتِ نبوی سے پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ رحلت کے وقت ان کی زبان پر تحمید و تکبیر جاری تھی۔ ایاس خود تو خالق حقیقی کے پاس جا پہنچے لیکن اپنی پاک باطنی اور اسلام کا گہرا اثر انصار پر چھوڑ گئے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴)

چھ سعید روحیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ایام حج میں زائرین حرم کے پاس جا کر انھیں دعوتِ توحید دیتے تھے اور وقتاً فوقتاً مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کے سامنے دینِ حق پیش کرتے۔ قبائل کے بدنصیب رؤسا بڑے روکھے سوکھے جواب دیتے تھے۔ زائرین حرم پر بھی دعوتِ حق کا چنداں اثر نہ ہوتا تھا لیکن ۱۱ نبوت کے موسمِ حج میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب صورت پیدا کی رسول کریمؐ تبلیغ کرتے کرتے منیٰ میں چند ایسے خیموں کے پاس پہنچ گئے جہاں یثرب سے آئے ہوئے چند سعید الفطرت لوگ قیام پذیر تھے۔ یہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی تھے۔ یہ لوگ یہود کے قرب اور سوید الکامل اور ایاس بن معاذ کی تعلیمات کی بدولت نبی آخر الزمانؐ اور اسلام کے نام سے کلیتہً نا آشنا نہیں تھے۔ حضورؐ نے جب ان کے پاس پہنچ کر خدا تعالیٰ کی واحدنیت پاکی اور بڑائی بیان کرنی شروع کی تو وہ بے حد متاثر ہوئے۔ اس کے بعد جب ہادیٔ اکرمؐ نے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ان کے دل بالکل ہی پگھل گئے۔ انہوں

نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ واللہ یہ تو وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت یہود کی زبان پر ہے۔ دیکھنا یہود کہیں ہم سے قبول حق میں سبقت نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے۔

ان چھ نفوسِ قدسی کے نام یہ ہیں۔

(۱) اسعدؓ بن زرارہ

(۲) عقبہؓ بن عامر بن نابی

(۳) عوفؓ بن حارث بن عفرا

(۴) رافعؓ بن مالک بن عجلان

(۵) قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ

(۶) جابرؓ بن عبداللہ

(۵)

چراغ سے چراغ جلنے لگا

خزرج کی چھ مقدس ہستیوں کا قبول اسلام گویا انصار میں صبحِ سعادت کا طلوع تھا۔ اللہ کے یہ مقدس بندے جب دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر مدینہ منورہ واپس گئے تو انہوں نے وہاں نہایت تندہی سے دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ مورخین کا بیان ہے کہ ان بزرگوں کی تبلیغی مساعی سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور کچھ اور لوگوں نے کھلم کھلا اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ اگلے سال (سنہ ۱۲ نبوت کے موسمِ حج میں) مدینہ منورہ سے بارہ مسلمان سرورِ کونینؐ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچے۔ ان میں دس قبیلہ خزرج اور دو قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے ان کے نام یہ ہیں۔

خزرجی

(۱) اسعدؓ بن زرارہ — (۲) عوفؓ بن حارث

(۳) رافعؓ بن مالک — (۴) قطبہؓ بن عامر

(۵) عقبہؓ بن عامر (یہ پانچوں حضرات پچھلے سال بھی رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے)

(۶) معاذؓ بن حارث — (۷) ذکوانؓ بن عبد قیس

(۸) عبادہؓ بن صامت — (۹) ابو عبدالرحمٰن یزیدؓ بن ثعلبہ

(۱۰) عباسؓ بن عبادہ

اوسی

(۱۱) ابوالہیثمؓ بن تیہان

(۱۲) عویمؓ بن ساعدہ

(۶)

بیعت عقبۂ اولیٰ اس مقدس قافلے کے آنے کا حال رسولِ اکرمؐ کو معلوم ہوا تو آپ رات کو منیٰ میں (عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد عقبیٰ ہے) تشریف لے گئے۔ یثربی مسلمان وہاں ہی قیام پذیر تھے۔ انہوں نے بڑھ کر حضورؐ کے قدم لیے اور ان چھ باتوں پر آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

۱۔ ہم شرک نہ کریں گے

۲۔ ہم چوری نہ کریں گے

۳۔ ہم زنا نہ کریں گے

۴۔ ہم کسی کی چغلی نہ کریں گے اور نہ کسی پر جھوٹی
تہمت لگائیںگے۔

۵۔ ہم اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے۔

۶۔ ہم رسولِ کریمؐ کی تمام اچھی باتوں میں اطاعت کریں گے۔

بیعت لینے کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم نے اپنے عہد کو پورا کیا تو جنّت کے مستحق بن جاؤ گے اگر نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ تمہیں عذاب دے یا معاف کر دے۔

واپسی کے وقت ان حضرات نے حضورؐ سے التجا کی کہ انھیں قرآن پڑھانے اور دین کی باتیں سکھلانے کے لیے ایک معلم عطا کریں۔ حضورؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو یہ خدمت تفویض کی اور ان کو اس مقدس قافلے کے ساتھ مدینہ منوّرہ روانہ کر دیا۔

(۷)

مدینہ میں حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی

مدینہ پہنچ کر حضرت مصعبؓ بن عمیر حضرت اسعدؓ بن زرارہ[۱] کے ہاں فروکش ہوئے اور نہایت تندہی سے تبلیغِ حق میں مصروف ہو گئے انھوں

---

[۱] حضرت اسعدؓ بن زرارہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل تھے۔ انصاری سابقین اسلام میں وہ نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہجرت کے بعد سرورِ کائناتؐ حضرت ابو ایوبؓ کے گھر قیام پذیر ہوئے اور آپ کی اونٹنی کو حضرت اسعدؓ

نے اپنے پاکیزہ کردار سے بیسیوں لوگوں کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر دی اور مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیلنے لگا۔ لیکن ابھی تک اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے سردار اسلام سے ناآشنا تھے۔ اس لیے اشاعتِ اسلام کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اللہ تعالے نے اس رکاوٹ کے دور کرنے کی بھی صورت پیدا کر دی۔ ایک دن حضرت مصعبؓ بن عمیر بنو عبدالاشہل[۲] کے ایک باغ میں گئے اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں کو تعلیم دینے لگے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ بھی وہاں موجود تھے۔ کسی نے جا کر اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ[۳] کو اطلاع دی کہ مسلمان تمہارے محلہ میں آکر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

اپنے گھر لے گئے۔ حضورؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے چند ہی ماہ بعد حضرت اسعدؓ نے حلق کے شدید درد کی وجہ سے وفات پائی۔ حضورؐ کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا۔ بقیع میں دفن ہونے والے یہ سب سے پہلے مسلمان تھے اور مدینہ میں یہ پہلی نماز جنازہ تھی جو حضورؐ نے پڑھائی۔

۲ "عبدالاشہل" قبیلہ اوس کی ایک شاخ تھی۔

۳ سیدالاوس حضرت سعدؓ بن معاذ بڑے رتبہ کے صحابی ہیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی کی بدولت مسلمان ہوئے۔ اور پھر ان کو اپنے مکان میں لے آئے۔ غزواتِ بدر و احد میں نہایت جوش سے شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں ان ثابت قدم اصحاب میں تھے جو آخر تک میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔ جنگِ خندق میں شدید زخمی ہوئے اور اسی زخم کی وجہ سے چند دن بعد وفات پائی۔ حضورؐ کو سخت رنج ہوا اور ان کی نعش کو اپنی گود میں لے لیا۔ دفن کے بعد حضورؐ واپس ہوئے تو آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ سعدؓ کی موت سے عرشِ الٰہی

سعدیہ خبر سن کر بڑے غضبناک ہوئے لیکن اسعدؓ بن زرارہ کا (جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے) پاس خاطر کرتے ہوئے خود وہاں جانے میں متامل ہوئے اور اپنے چچا اسیدؓ بن حضیر[2] سے کہا کہ تم جا کر ان مسلمانوں کو منع کر دو کہ وہ آئندہ ہمارے آدمیوں کو گمراہ کرنے اوس کے محلوں میں نہ آئیں۔

اسیدؓ بڑے شجاع آدمی تھے انہوں نے جوشِ غضب میں اپنا نیزہ اٹھایا اور اکیلے ہی بنو عبدالاشہل کے باغ کی طرف لپکے۔ حضرت اسعدؓ نے انہیں اس حالت میں آتے دیکھا تو حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہا

"یہ قبیلہ اوس کے دو بڑے سرداروں میں سے ایک ہیں اگر یہ دینِ حق قبول کر لیں تو ہمیں بڑی تقویت پہنچے گی۔"

ہل گیا ہے اور ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں شریک ہوئے ہیں۔ انصار میں سعدؓ بن معاذ تنہا وہ صحابی ہیں جن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ایک پورا قبیلہ ایک دن کے اندر مسلمان ہو گیا۔ اپنی دینی خدمات کی بدولت وہ انصار کے "صدیقِ اکبر" سمجھے جاتے تھے۔

[2] اسیدؓ بن حضیر حضرت سعدؓ بن معاذ کے ابن عم تھے اور ان کے بعد دوسرے نمبر پر اوس کے رئیس تھے۔ بیعتِ عقبہ ثانی میں شریک تھے۔ جنگِ احد میں نہایت ثابت قدمی سے دادِ شجاعت دی۔ غزوہ خندق میں نہایت بے جگری سے خندق کی حفاظت کی۔ فتح مکہ میں رسول اکرمؐ مکہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ ایک طرف صدیق اکبرؓ اور دوسری طرف اسیدؓ بن حضیر تھے جنگِ حنین میں اسیدؓ اوس کے علمبردار تھے۔ فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں فتح بیت المقدس کے وقت اسیدؓ امیر المومنین کے ساتھ مدینہ سے شام گئے۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔ فاروق اعظمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اسید قریب آتے ہی خشم آلود لہجے میں تیز تیز گفتگو کرنے لگے اور حضرت مصعبؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"تم ہمارے آدمیوں میں گمراہی پھیلا رہے ہو اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی ہمارے محلوں کا رُخ نہ کرنا"

حضرت مصعبؓ نے ان کی غضب آلود گفتگو نہایت تحمل سے سنی اور پھر نہایت نرمی سے فرمایا۔ "عزیز بھائی آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام سے میری باتیں سنیں اگر پسند آئیں تو قبول کریں ورنہ رد کر دیں"

حضرت مصعبؓ کی حلم آمیز گفتگو نے اسید کے غیظ وغضب پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا۔ اور وہ اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔ "اچھا کہو کیا کہتے ہو" حضرت مصعبؓ نے نہایت دلنشیں انداز میں اسلام کے اصول بیان کئے اور پھر قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں۔ اسید بے اختیار پکار اٹھے۔

"واہ یہ کیسا اچھا دین ہے اور یہ کیسا اعلیٰ کلام ہے۔ للہ مجھے اپنے دین میں داخل کر لو"

حضرت مصعبؓ نے انھیں غسل کرنے اور پاک کپڑے پہننے کی تلقین کی پھر ان سے کلمۂ شہادت پڑھوا کر حلقۂ اسلام میں داخل کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اسیدؓ بولے۔

"ایک شخص اور ہے اگر وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تو سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا" یہ کہہ کر سیدھے سعد بن معاذ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ "وہاں تو کوئی اور ہی بات در پیش ہے آپ کا بذات خود وہاں جانا ضروری ہے" سعدؓ کو یہ سن کر سخت

غصہ آیا اور وہ بھی اپنا نیزہ اٹھا کر مسلمانوں کے پاس پہنچے اور انھیں ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ اسعدؓ بن زرارہ نے کہا۔ "بھائی ذرا بیٹھ کر سنیئے تو یہ صاحب کہتے کیا ہیں۔ اگر ان کی باتیں تم پسند کرو تو بہتر ورنہ تمھیں اختیار ہے۔"

سعد ان کے کہنے سے بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے محاسنِ اسلام پیش کئے اور پھر قرآن کریم سنایا۔ سعدؓ بن معاذ کا قلب صافی آناً فاناً نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا اور وہ بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو سارے بنو عبدالاشہل کو جمع کر کے کہنے لگے:

"تمہارے نزدیک میں کیسا ہوں؟"

جواب ملا۔ "آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہم سب سے عاقل اور معاملہ فہم ہیں۔"

سعدؓ بولے۔ "تو پھر سن لو کہ میں نے دینِ حق قبول کر لیا ہے اور جب تک تم بھی خدائے واحد اور اس کے برگزیدہ رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔ مجھے تم سے گفتگو کرنا حرام ہے۔"

حضرت سعدؓ بن معاذ کا اعلان سن کر بنو عبدالاشہل کے بیشتر افراد اسی وقت نعمت اسلام سے سعادت اندوز ہو گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ شام ہوتے ہوتے مسلمان ہو گئے اور مدینہ کے در و دیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے۔ حضرت سعد بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر کے قبول اسلام کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے تمام خاندانوں میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلنے لگا۔

قبیلۂ خزرج کے متعدد افراد پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے ان کے سردار سعد بن عبادہ[1] کے قبول اسلام نے اور لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ حضرت

---

[1] سید الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ بڑے عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ ایام جاہلیت میں لکھنا

ابو ایوب انصاریؓ بھی انہی مقدس ہستیوں میں شامل ہیں جنہوں نے حضرت مصعبؓ کی تبلیغی مساعی کی بدولت اس زمانہ میں اسلام قبول کیا۔

پڑھنا جانتے تھے اور فنونِ حرب میں مہارت رکھتے تھے اس لیے "کامل" کے لقب سے مشہور تھے۔ عقبۂ ثانی میں رسول اکرمؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بڑے دولتمند اور سخی تھے۔ جنگ بدر سے پہلے ایک کتے نے کاٹ کھایا اس لیے لڑائی میں شرکت نہ کر سکے تاہم حضورؐ نے مالِ غنیمت میں ان کا پورا حصہ لگایا۔ غزواتِ احد، مصطلق، احزاب، حدیبیہ اور خیبر میں نہایت ثابت قدمی سے لڑے۔ بیعت رضوان میں بھی شریک تھے۔ غزوۂ حنین میں خزرج کے علمبردار تھے۔ رسول اکرمؐ کے وصال کے بعد انصار انہی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ صدیق اکبرؓ کے انتخاب کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو سعد ترکِ وطن کر کے دمشق کے قریب حوران کے علاقے میں جا بسے۔ ۱۵ھ میں کسی نامعلوم شقی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ قاتل نے آپ کی لاش غسل خانے میں ڈال دی تھی۔ ان کی بے مثال فیاضی کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

مقدس پیمانِ وفا

(۱)

شمعِ توحید کے پچھتر پروانے

۱۳ سنہ نبوت کے موسم حج میں مدینہ سے پانچ سو آدمیوں کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں اوس و خزرج کے پچھتر ایسے نفوس قدسی بھی شامل ہو گئے جو نورِ ایمان سے سعادت اندوز ہو چکے تھے اور سید موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق تھے۔ ان میں ۷۳ مرد اور دو خواتین تھیں ان سب کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قبیلۂ اوس

۱۔ اسیدؓ بن حضیر
۲۔ سعدؓ بن خثیمہ بدری
۳۔ عویمؓ بن ساعدہ
۴۔ سلمہؓ بن سلامہ بن وقش بدری
۵۔ ابو الہیثمؓ بن التیہان بدری
۶۔ عبداللہ بن جبیرؓ بدری
۷۔ ابو بردہ ہانیؓ بن دینار بدری
۸۔ معنؓ بن عدی بدری
۹۔ ظہیرؓ بن رافع بن عدی
۱۰۔ نہیرؓ بن الہیثم
۱۱۔ رفاعہؓ بن عبد المنذر بدری

قبیلہ خزرج

۱۔ ابوایوبؓ خالد بن زید بدری

۲ معاذؓ بن حارث بدری

۳ عوفؓ بن حارث بدری

۴ عمارہؓ بن حزم بدری

۵ سعدؓ بن ربیع بدری

۶ فروہؓ بن عمرو بدری

۷ خلادؓ بن سوید بدری

۸۔ زیادؓ بن لبید بدری

۹ خارجہؓ بن زید بدری

۱۰۔ عبداللہؓ بن رواحہ بدری

۱۱۔ اوسؓ بن ثابت بدری

۱۲ ابوطلحہ زیدؓ بن سہل بدری

۱۳ قیسؓ بن ابی صعصعہ بدری

۱۴۔ براءؓ بن معرورؓ

۱۵ سہلؓ بن عتیک

۱۶ عبداللہؓ بن زید بدریؓ

۱۷ بشیرؓ بن سعد بدری

۱۸ منذرؓ بن عمرو بدری

۱۹ عقبہؓ بن وہب بدری

۲۰ ابوالولید رفاعہ بن عمرو بن زید بدری

۲۱ عبادہؓ بن صامت بدری

۲۲ معاذؓ بن جبل بدری

۲۳ ثابتؓ بن جذع بدری

۲۴ عمیرؓ بن حرث بدری

۲۵ معاذؓ بن عمرو بن جموح بدری

۲۶ عبداللہؓ بن عمرو بدری

۲۷ عمروؓ بن غنمہ بدری

۲۸ ابوالیسر کعبؓ بن عمرو بدری

۲۹ ثعلبہؓ بن غنمہ بدری

۳۰ قطبہ بن عامر بدری

۳۱ سلیمؓ بن عمرو بدری

۳۲ جبارؓ بن صخر بدری

۳۳ طفیلؓ بن مالک بدری

۳۴ ضحاکؓ بن حارثہ بدری

۳۵ یزیدؓ بن منذر بدری

۳۶۔ معقلؓ بن منذر بدری — ۳۷۔ طفیلؓ بن نعمان بدری

۳۸۔ سنانؓ بن صیفی بدری — ۳۹۔ بشیر بن براء بدریؓ

۴۰۔ حرثؓ بن قیس بدری — ۴۱۔ سعدؓ بن عبادہ

۴۲۔ عبادؓ بن قیس بدری — ۴۳۔ خالدؓ بن قیس بدری

۴۴۔ ذکوانؓ بن عبد قیس بدری — ۴۵۔ عمروؓ بن حارث

۴۶۔ ابو عبدالرحمٰنؓ بن یزید بن ثعلبہ — ۴۷۔ عباسؓ بن عبادہ

۴۸۔ جابرؓ بن عبداللہ بن عمرو — ۴۹۔ خالدؓ بن عمرو

۵۰۔ عبداللہؓ بن انیس — ۵۱۔ رفاعہؓ بن حارث بن سواد

۵۲۔ عمروؓ بن غزیہ — ۵۳۔ ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ

۵۴۔ ابومسعود عقبہؓ بن عمرو — ۵۵۔ رافعؓ بن مالک

۵۶۔ مسعودؓ بن یزید — ۵۷۔ یزیدؓ بن خزام

۵۸۔ کعبؓ بن مالک — ۵۹۔ صیفیؓ بن سواد

۶۰۔ اوسؓ بن عباد بن عدی — ۶۱۔ یزیدؓ بن عامر بدری

۶۲۔ ام منیع اسماءؓ بنت عمرو (بنو نجار)

۶۳۔ ام عمارہ نسیبہؓ بنت کعب (بنو سلمہ)

ان بہتر مبارک ہستیوں کے علاوہ مدینہ میں اور بھی بہت سے اہل ایمان موجود تھے لیکن وہ کسی وجہ سے اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ انہوں نے قافلہ میں شریک مسلمانوں کو پیغام دیا کہ نبی آخر الزمانؐ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے الگ قافلہ بنانے میں بہت سے

خطرات پوشیدہ تھے اس لیے یہ چھ حق پرست اہلِ مدینہ کے اس بڑے قافلے میں ہی شامل ہو گئے۔ جس میں اکثریت بت پرستوں کی تھی۔

ان چھ نفوسِ قدسی کا مکہ آنا تاریخ اسلام میں بے انتہا اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے جو شجاعانہ اور بے باکانہ اقدام کیا۔ اس نے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی اور تاریخ کا رُخ پھیر دیا۔

(۲)

خدمتِ نبویؐ میں حاضری

حج سے فارغ ہونے کے بعد سرورِ کائناتؐ نے ایک رات مقرر کی اور انصارِ مدینہ کا مقدس گروہ رات کی تاریکی میں عقبہ کی گھاٹی میں ایک درخت کے نیچے جمع ہوا۔ رسولِ کریمؐ بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ حضرت عباسؓ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن قرابت داری اور خاندانی عصبیت کی وجہ سے وہ رسولِ کریمؐ کے دلی خیرخواہ تھے۔ اس سے پیشتر انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ مدینہ سے متعدد نومسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب تشریف لے چلنے کی دعوت دینے آئے ہیں۔

حضرت عباسؓ نے ان چھ نفوسِ قدسی سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"اے برادرانِ یثرب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں۔ قریش ان کے جانی دشمن ہیں تاہم ہم نے ہمیشہ دشمنوں سے ان کی حفاظت کی ہے ــــ اور آئندہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق کریں گے اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو اور مرتے دم تک محمدؐ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کوئی بات کرنا۔ خوب سمجھ لو کہ محمدؐ سے کوئی عہد و پیمان کرنا گویا

ہولناک مصائب اور خونریز جنگوں کو دعوت دینا ہے۔ اس لیے سب کچھ
سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ورنہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔"
حضرت عباسؓ کی تقریر سن کر مدینہ کے رئیس خزرج حضرت براء بن معرورؓ جوش میں
آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا۔
"اے عباسؓ ہم نے تیری بات سنی تو ہماری بھی یاد رکھ کہ ہم نامرد
نہیں ہیں ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے ------"
دوسرے انصار نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ "یا رسول اللہ آپ بھی کچھ فرمائیے۔"
حضورؐ نے قرآن حکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔ اور اہل یثرب کو اسلام پر قائم رہنے
کی تلقین فرمائی۔ اور پھر فرمایا۔ "میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم اپنی جانوں
اور اہل و عیال کی مانند میری حفاظت کرو گے اور دین حق کی اشاعت میں میری پوری پوری
مدد کرو گے۔"
حضرت براء بن معرورؓ نے آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور کہا
"یا رسول اللہ خدائے برتر کی قسم ہم اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ
آپ کی حفاظت اور مدد کریں گے۔"
ابوالہیثم بن التیہانؓ نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔
"یا رسول اللہ اس وقت ہمارے اور یہود کے مابین معاہدات ہیں جو
بیعت کے بعد فسخ ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ آپ اقتدار اور قوت پا کر ہمیں
چھوڑ دیں۔"
حضورؐ متبسم ہوئے اور فرمایا

بل الدم الدم! والهدم الهدم! انا منکم و انتم منی! احارب من حاربتم و اسالم من سالمتم

"بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا۔"

گویا مختصراً حضور نے یہ واضح کیا کہ میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہو گا۔

حضورؐ کے ارشادات سن کر یہ سب نفوس قدسی بیعت کے لیے لپکے۔ سب سے پہلے حضرت براء بن معرورؓ نے بیعت کی ان کے بعد جماعت کے دوسرے لوگ بیعت کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عباس بن عبادہؓ انصاری نے پکار کر کہا:۔

"صاحبو خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ بیعت عرب و عجم سے اعلان جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ خوب جان لو کہ ایسا وقت آسکتا ہے کہ ہمارے شرفا قتل ہوں۔ ہمارا مال برباد ہو جائے۔ ہماری عزت و ناموس خطرے میں پڑ جائے۔ اس وقت ایسا نہ ہو کہ مشکلات و مصائب کے ہجوم سے گھبرا کر تم محمدؐ رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ دو۔"

سب انصار نے بیک آواز کہا "ہاں ہاں ہم سب خطرات کو دیکھ کر بیعت کر رہے ہیں۔"

پھر انصار نے رسول کریمؐ سے پوچھا۔

"یا رسول اللہ ان ساری قربانیوں کا صلہ ہمیں کیا ملے گا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "جنت"

تمام انصار کے قلوب ایمان و یقین کے نور سے منور ہو گئے اور سب یکے بعد دیگرے حضور کی بیعت سے مشرف ہو گئے۔

اس بیعت کو تاریخ میں بیعت لیلۃ العقبہ، بیعت عقبہ ثانیہ، بیعت عقبہ کبیرہ مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ واقعی یہ عرب عجم اور جن و انس سے جنگ کرنے کی بیعت تھی۔ اس وقت سرزمین عرب کا ذرہ ذرہ علمبرداران حق کے خون کا پیاسا تھا۔ عرب کے کسی قبیلے کو جرأت نہ تھی کہ وہ فدائیان اسلام کی حمایت کا اعلان کرے۔ اس وقت ارض یثرب کے یہ مقدس انسان اٹھے اور انہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جانوں اپنے مالوں اور اپنی اولادوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا۔ جب عرب کا گوشہ گوشہ شمع رسالت کو پناہ دینے سے انکاری تھا اس وقت مدینہ کے ان جلیل القدر فرزندوں نے بصد عجز و نیاز سرور کائنات فخر موجودات سے استدعا کی کہ وہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے ارض یثرب کو مشرف فرمائیں۔ اپنے آقا سے جو پیمان انہوں نے اس مقدس رات کو باندھا اسے انہوں نے واقعی اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کے ساتھ نباہا۔ اور کائنات کی مقدس ترین ہستی نے بھی عالم فانی سے روپوش ہونے تک اہل یثرب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ تاریک ترین ایام میں بھی اور غلبہ و نصرت کے وقت بھی۔

مبارک تھیں وہ ہستیاں جنہوں نے یہ مقدس پیمان وفا باندھا۔

(۳)

انصار کے ۱۲ بارہ نقیب

بیعت کے بعد سرور کونین نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ تم دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے بارہ نقیب

منتخب کر لو۔ چنانچہ مومنین مدینہ نے بارہ نقباء اتفاق رائے سے منتخب کر لیے۔ ان میں سے نو قبیلہ خزرج اور تین قبیلہ اوس کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قبیلہ خزرج

۱۔ ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ

۲۔ عبداللہؓ بن رواحہ

۳۔ براءؓ بن معرور

۴۔ سعدؓ بن عبادہ

۵۔ رافعؓ بن مالک بن عجلان

۶۔ عبادہؓ بن صامت

۷۔ سعدؓ بن ربیع

۸۔ عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

۹۔ منذرؓ بن عمرو

قبیلۂ اوس

۱۰۔ اسیدؓ بن حضیر

۱۱۔ سعدؓ بن خثیمہ

۱۲۔ ابو الہیثمؓ بن تیہان

یہ سب حضرات رئیس القبائل تھے اور اپنے اثر و رسوخ اور خدا و رسولؐ سے والہانہ شیفتگی کی وجہ سے اسلام کے قوی دست و بازو ثابت ہوئے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ

سعدؓ بن عبادہ اور اسیدؓ بن حضیر کے مختصر حالات پیچھے بیان کئے جا چکے ہیں۔ باقی حضرات کے اجمالی حالات نیچے درج کئے جاتے ہیں۔ ان سے ان کی عظمت کردار اور جذبۂ ایثار کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جا سکے گی۔

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ

بڑے جلیل القدر صحابی ہیں دربار رسالت کے تین شاعروں میں سے ایک تھے (دوسرے دو حضرت حسانؓ بن ثابت اور کعبؓ بن مالک تھے) بیعت عقبۂ ثانی کے بعد بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ تمام غزوات نبوی اور بیعت الرضوان میں شریک تھے۔ غزوۂ موتہ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کے فضل و کمال، جوشِ ایمان، شوق جہاد اور جذبۂ ایثار سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

حضرت براءؓ بن معرور

ابو بشر براءؓ بن معرور بیعت عقبۂ کبیرہ کے بعد بنو سلمہ کے نقیب بنائے گئے۔ نہایت سلیم الفطرت تھے۔ کعبۃ اللہ کے قبلہ مقرر ہونے سے پہلے ہی اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ہجرت نبوی سے ایک مہینہ قبل داعئ اجل کو لبیک کہا۔ ہجرت کے بعد حضورؐ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت رافعؓ بن مالک

انصار مدینہ میں ان کا درجہ نہایت بلند ہے۔ خزرج کی ان چھ مقدس ہستیوں میں شامل تھے جو سب سے پہلے رسول اکرمؐ کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ اس کے بعد بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانی میں شامل ہوئے۔ آپ کو بنو زریق کا نقیب بنایا گیا۔ جنگ احد میں داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت پیا۔

حضرت عبادہؓ بن صامت

ابوالولید عبادہؓ بن صامت انصار کے سابقون اولون میں سے ہیں۔ بیعت عقبۂ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانی میں شامل تھے۔ مؤخر الذکر بیعت کے بعد بنو قوافل کے نقیب منتخب ہوئے غزوۂ بدر میں نہایت پامردی سے لڑے۔ بیعت رضوان میں بھی شریک تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں مسلمان افواج شام پر حملہ آور ہوئیں تو حضرت عبادہؓ بن صامت بھی ان میں شریک تھے۔ عہد فاروقی میں جہادِ مصر میں نمایاں حصہ لیا۔ قرآن کریم کے حافظ تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے قرآن کی قرأت اور کتابت سیکھی۔ اشاعت حدیث میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ کتب احادیث میں ان سے ۱۸۱ حدیثیں مروی ہیں۔ علم فقہ میں کمال حاصل تھا۔ نہایت حق گو اور شجاع تھے۔ رسول اکرمؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ارض شام میں وفات پائی۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

ابوجابر عبداللہ قبیلہ سلمہ (خزرج) کے رئیس تھے۔ بیعت عقبۂ ثانی میں حضرت براء بن معرور کے ساتھ ان کو بھی بنو سلمہ کا نقیب بنایا گیا۔ جنگ بدر میں والہانہ جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد جنگ احد میں نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوئے اور سب سے پہلے جام شہادت پیا۔ جنگ کے بعد رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ عبداللہ کے جنازے پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کئے ہوئے تھے۔ شہادت کے چھ ماہ بعد ان کی لاش ایک قبر سے دوسری میں منتقل کی گئی تو تمام جسم صحیح سالم تھا۔ اس کے ۴۶ برس بعد سیلاب سے ان کی قبر کھل گئی تو جسم کی حالت بدستور تھی۔ ان کے صاحبزادے کا شمار بھی جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت سعدؓ بن ربیع

بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ بیعت عقبۂ اولیٰ اور ثانی دونوں میں شرکت کی۔ عقبۂ ثانی کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ نہایت غنی اور مخلص تھے۔ رسول اکرمؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ جنگِ احد میں بڑی جانبازی سے لڑے۔ اور زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑے۔ جنگ کے بعد سرورِ کائناتؐ نے فرمایا:۔

"کوئی ہے جو سعد بن ربیعؓ کی خبر لائے۔"

حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا:۔ "یا رسول اللہ میں جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ میدانِ جنگ میں گئے اور لاشوں کے درمیان پھر کر سعدؓ بن ربیع کو تلاش کرنے لگے۔ بار بار سعدؓ بن ربیع کو پکارتے تھے لیکن کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ آخر انہوں نے بآوازِ بلند پکارا۔

"سعد اگر زندہ ہو تو جواب دو مجھے رسول اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

اس وقت حضرت سعدؓ بن ربیع کا دم واپسیں تھا۔ رسول اللہ کا نام سنا تو اپنے اندر ایک توانائی سی محسوس کی۔ روح و جسم کی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے نحیف سی آواز میں جواب دیا:۔

"میں مُردوں میں ہوں۔ رسولِ کریمؐ کی خدمتِ اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا اور میرے انصاری بھائیوں سے کہنا کہ اگر خدانخواستہ آج کفار نے شمعِ رسالت کو بجھا دیا اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچا تو خدا کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے۔ بیعتِ عقبہ میں تم نے رسول اللہ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔"

یہ کہا اور ہچکی لے کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے عاشقِ رسولؐ سعدؓ کا پیغام حضورؐ تک پہنچایا تو آپ نے فرمایا:۔
"خداوندکریم سعد پر رحم کرے۔ زندگی اور موت دونوں میں خدا اور خدا کے رسول کے بہی خواہ رہے۔"

ایک صحابی سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملنے گئے تو وہ ایک ننھی سی بچی کو اپنے سینے پر بٹھائے ہوئے تھے اور نہایت محبت سے اسے بار بار چومتے تھے اور پیار کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا یہ لڑکی کون ہے۔ فرمایا یہ سعدؓ بن ربیع کی لڑکی ہے۔ اُسے اللہ نے بہت بلند درجہ عطا کیا۔ قیامت کے دن وہ سرورِ کائنات کے نقیبوں میں شمار کیا جائیگا۔

حضرت منذرؓ بن عمرو

حضرت منذرؓ بن عمرو عقبۂ ثانی میں رسولِ اکرمؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کے ساتھ بنو ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ نہایت متقی اور عابد و زاہد تھے۔ عربی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جنگ بدر اور احد میں والہانہ جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔ بیر معونہ میں جامِ شہادت پیا اور "اعنق لیموت" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سانحہ بیر معونہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت دردناک واقعہ ہے۔ اس دلگداز واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جنگ احد کے کچھ عرصہ بعد نجد کے قبیلۂ بنی عامر کا ایک شخص ابوبراء عامر بن مالک کچھ آدمیوں کا ایک وفد بنا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ہمارے علاقہ کے لوگ دینِ حق کی طرف مائل ہیں ان میں تبلیغ کرنے اور تعلیم دینے کے لیے کچھ آدمی ہمارے ساتھ بھیجیے۔ ابوبراء کا بھتیجا نجد کا حاکم تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "مجھے اندیشہ ہے میرے آدمیوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔"

ابوبراء نے اطمینان دلایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا ہم لوگ بنی عامر کے رئیس ہیں کسی کی

مجال نہیں کہ ہمارے مہمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔

حضورؐ نے ستر صحابہؓ کی ایک جماعت حضرت منذر بن عمروؓ انصاری کی زیر قیادت ابو براء کے ہمراہ کر دی اور عامر بن طفیل رئیس نجد کے نام ایک مکتوب روانہ کیا جس میں اسے دعوت اسلام دی گئی تھی۔ یہ ستر صحابہ کرامؓ "قراء" کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ سب قرآن حکیم کے حافظ تھے۔ ان میں زیادہ تعداد انصار کی تھی۔ مہاجرین چند ایک ہی تھے۔ یہ حضراتؓ مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر بیر معونہ پہنچے جو بنی عامر کا علاقہ تھا۔ یہاں سب نے قیام کیا۔ حضرت حرام بن ملحان انصاریؓ نے رسول کریمؐ کا مکتوب مبارک ہاتھ میں لیا اور دو ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اسے عامر بن طفیل کو پہنچانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ ہمارے واپس آنے تک یہاں ہی ٹھہریں۔ یہ تینوں بندگان حق جب حاکم نجد کی قیام گاہ کے قریب پہنچے تو حضرت حرامؓ بن ملحان نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ تم بھی ٹھہر جاؤ اگر کوئی فریب نہ ہوا تو تم بھی آ جانا ورنہ بھاگ کر اپنے ساتھیوں کو خبر کر دینا۔

حضرت حرام بن ملحانؓ نے جب عامر بن طفیل کو نامۂ نبوی دیا تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اس نے قبیلہ کے ایک شخص جبار بن سلمیٰ کو اشارہ کیا اس نے حضرت حرام کی پشت کی طرف ہو کر ایک ایسا نیزہ مارا جو ان کے جسم کے پار نکل گیا۔ حضرت حرامؓ نے خون کا چلو بھر کر چہرہ اور سر پر چھڑکا اور فرمایا فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا) حضرت حرامؓ کے دوسرے دو ساتھیوں میں سے ایک تو پہاڑ میں چھپ رہے کیونکہ ایک ٹانگ میں لنگ ہونے کی وجہ سے تیز نہیں چل سکتے تھے دوسرے نے باقی مسلمانوں کو اطلاع دی حضرت منذر بن عمروؓ اور عمرو بن امیہ ضمریؓ اونٹ چراتے قیام گاہ سے دور گئے ہوئے تھے دوسرے مسلمان فوراً موقع پر پہنچے۔ عامر بن طفیل کے اشارے سے دوسرے قبائل (رعل۔ ذکوان) کے

لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ ان سب نے مل کر ان مقدس ہستیوں کو گھیر لیا اور سب کو شہید کر دیا بجز حضرت کعب بن زیدؓ کے جو سخت زخمی ہوئے اور دوسرے شہدا کی لاشوں کے نیچے دب گئے کفار نے انھیں بھی مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ جب حضرت منذر بن عمروؓ اور عمرو بن امیہؓ اونٹ چرا کر لوٹے تو انہوں نے آسمان پہ گدھ اڑتے دیکھے اُدھر جا کر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا۔ رعل و ذکوان کے سوار خون آلود تلواریں لئے ان کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ ان دونوں جانبازوں نے بھی شوقِ شہادت میں تلواریں نکال لیں اور لا تعداد مشرکوں سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ حضرت منذرؓ تو لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمرو بن امیہؓ گرفتار ہو گئے۔ عامر کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی تھی اس نے انہیں چھوڑ دیا۔

حضورؐ کو جب اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع ملی تو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے ایک مہینہ تک بزدل قاتلوں کے حق میں بد دعا کی۔ حضرت منذر بن عمروؓ کے متعلق فرمایا اعنق لیموت اس نے موت کی طرف سبقت کی ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ

حضرت سعد بن خیثمہؓ بیعتِ عقبہ ثانی میں شریک تھے۔ انھیں بنی عمرو بن عوف کا نقیب منتخب کیا گیا۔ ہجرت کے بعد رسول اکرمؐ نے قباء میں حضرت کلثومؓ بن الہدم کے ہاں قیام فرمایا۔ لیکن عام لوگوں سے ملاقات کے لیے حضورؐ حضرت سعد بن خیثمہؓ کے گھر تشریف لے آتے تھے۔ والد حضرت خیثمہؓ بھی صحابی تھے۔

غزوہ بدر میں حضرت سعدؓ نے جام شہادت پیا اور احد میں حضرت خثیمہؓ نے۔

حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ

حضرت ابوالہیثم مالک بن تیہان زمانہ جاہلیت میں ہی توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ بیعت عقبۂ اولیٰ اور ثانی دونوں میں شرکت کی۔ موخرالذکر بیعت کے بعد حضرت اسیدؓ بن حضیر کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے نقیب مقرر ہوئے۔ اسلام کے جانباز سپاہی تھے۔ رسول اکرمؐ سے نہایت محبت تھی ان کی اسی محبت کی وجہ سے سرور کائنات نے اپنی زبان مبارک سے ان کی تعریف فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

ان بارہ نقباء کا انتخاب ہو چکا تو رسول اکرمؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تم اپنی آبادی کے اسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح عیسیٰؑ بن مریمؑ کے حواری ذمہ دار تھے۔ اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں جب تک کہ تمہارے پاس ہجرت نہ کر آؤں ابھی اللہ نے ہجرت کا حکم نہیں دیا۔" سارے نقباء نے حضورؐ کے ارشاد پر آمنا وصدقنا کہا۔

(۴)

قریش کی تلملاہٹ جب یہ سارے معاملات طے ہو رہے تھے۔ قریش کے ایک جاسوس کے کانوں میں باتوں کی بھنک پڑ گئی وہ زور سے پکارا۔ "اے اہل مکہ یہ بے دین تم سے لڑنے کے مشورے کر رہے ہیں۔"

حضورؐ نے انصار سے فرمایا۔ "اب تم اپنی رہائش گاہ کو لوٹ جاؤ۔"

سعد بن عبادہؓ کو جوش آگیا بولے۔ "اگر آپ اجازت دیں تو خدا کی قسم ہم کل ہی اہل مکہ کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں ابھی ہمیں جنگ کا حکم نہیں۔"

غرض انصارؓ اپنے خیموں میں واپس آئے۔ اور ابھی کچھ رات باقی تھی کہ سب مدینہ کو چل پڑے صرف دو بزرگ حضرت سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔

جب صبح ہوئی تو رؤسائے قریش اہل یثرب کے خیموں میں آئے اور ان سے کہا۔

"تم لوگوں نے رات کو ہمارے خلاف لڑنے کے منصوبے بنائے ہیں حالانکہ ہم تم سے لڑنا بہت برا سمجھتے ہیں[1]۔"

یہ سب مشرک تھے اور انہیں یثربی ساتھیوں کی بیعت کا علم نہیں تھا انہوں نے قسمیں کھا کھا کر رؤسائے قریش کو یقین دلایا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور تم سے کسی نے غلط بیانی کی ہے۔ رؤسائے قریش واپس چلے گئے لیکن ان کے جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اب انہوں نے ان مخصوص آدمیوں کی تلاش شروع کر دی جن کے مسلمان ہونے کا انھیں یقین تھا۔ دوسرے لوگ تو نکل چکے تھے حضرت سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ ان کے ہاتھ آ گئے۔ منذرؓ تو کسی طرح ان کی گرفت سے آزاد ہو گئے مگر حضرت سعد بن عبادہؓ کو انہوں نے ان کے کجاوے کے تسموں سے باندھ دیا اور بری طرح مارتے ہوئے اور سر کے بالوں کو گھسیٹتے ہوئے مکہ لائے۔ جو مشرک آتا انھیں مارتا پیٹتا[2] اور ان کے

---

[1] اہل مدینہ کو زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے قریش انہیں حقیر سمجھتے تھے۔

[2] حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک سرخ و سپید خوش صورت آدمی کو اپنی طرف آتے دیکھا اور خیال کیا کہ یہ شخص رحمدل اور معقول معلوم ہوتا ہے۔ شاید مجھے اس عذاب سے نجات دلائے لیکن اس نے پاس آ کر میرے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ میرا منہ پھر گیا۔ میں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سب نامعقول اور سیاہ باطن ہیں۔

لمبے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتا تھا۔ آخر ایک مشرک کو رحم آ گیا اس نے ان سے پوچھا کیا مکہ میں تمہاری کسی سے شناسائی ہے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ تجارت کے لیے وقتاً فوقتاً یثرب جاتے ہیں۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔

اس شخص نے کہا ان دونوں کا نام لے کر زور زور سے پکارو۔

حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔ دوسری طرف اس شخص نے ان دونوں سے جا کر کہا کہ سعدؓ بن عبادہ نامی ایک یثربی بری طرح پٹ رہا ہے اور تمہارے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ وہ بولے۔ "غضب ہو گیا سعد بن عبادہ تو خزرج کے رئیس اعظم ہیں اور وہ ہم سے بڑی مروت سے پیش آیا کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ لپک کر حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے اور انھیں اشقیا کے پنجۂ ستم سے چھڑایا۔ یہاں سے رہا ہو کر وہ نہایت تیز رفتاری سے جا کر اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ جو انھیں چھڑانے کے لیے مکہ واپس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔

سیدّ الانبیاءؐ کی ہجرت

(۱)

جور و ستم کا ہولناک طوفان

فضائے مکّہ پر مشرکین قریش کے زہرہ گداز جور و ستم اور شقاوت کی تیرہ و تار گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ شہر کا ہر پیر و جوان علمبرداران حق کے خون کا پیاسا بنا ہوا تھا۔ انسان نما درندے منہ پھاڑے خدائے واحد کے پرستاروں کو کھا جانے پر تلے بیٹھے تھے۔ نبوّت کے ابتدائی تیرہ سالوں میں کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو مشرکین مکّہ نے فرزندان توحید پر نہ توڑا ہو۔ لیکن اس تیرہ و تار فضا اور جور و ستم کے بحر متلاطم میں یتیم مکہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ مستحکم چٹان بن کر کھڑے تھے۔ اہل یثرب پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ اے رحمت مجسّم تشریف لائیے ہمارے دیدہ و دل آپ کے لیے فرش راہ ہیں۔ قبیلۂ دوس کا مضبوط قلعہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ ہادئ اعظم تشریف لائیے میرے قبیلہ کا بچہ بچہ کٹ مرے گا لیکن کسی مشرک کو میرے دروازے سے نہیں گزرنے دے گا[۱] لیکن سرور عالم خاموش

[۱] قبیلۂ دوس کے رئیس حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے دعوت حق کے آغاز میں ہی اسلام قبول کر لیا

تھے۔۔۔ خاموش اور حکمِ ایزدی کے منتظر۔۔۔ بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو جو سالہا سال سے کفارِ مکہ کی مشقِ ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اجازت دے دی کہ وہ یثرب چلے جائیں۔ چنانچہ بیشتر صحابہؓ اپنے گھربار، مال و جائداد اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر محض رضائے الٰہی کی خاطر یثرب کو ہجرت کر گئے۔ مشہور صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہی مکہ میں باقی رہ گئے اور یا وہ مفلس اور کمزور مسلمان جنہیں قرآن کریم میں "مستضعفین" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ آخر چند دن بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ عزیزِ وطن فخرِ موجوداتؐ بھی سنت انبیاءؑ کے مطابق غریب الوطنی اختیار کریں۔ ستانے والوں نے جلد ہی خود اس کا سامان مہیا کر دیا۔

(۲)

کفارِ مکہ کی ناپاک سازش

جب مشرکین مکہ کے جور و ستم اور مظالم و شدائد کے سب حربے ناکام ہو چکے تو انہوں نے آخری فیصلہ کے لیے ایک عظیم مجلس مشاورت منعقد کی۔ ۱۳ سنہ نبوت کے ماہ صفر کی آخری تاریخیں تھیں جب قصیّ بن کلاب کے تاریخی مکان "دار الندوہ" میں تمام اشقیاء کے نمائندے جمع ہوئے۔ نجد کا ایک پیر کہن سال اس مجلس کا صدر چنا گیا۔ اور اجتماع کی کاروائی شروع ہوئی۔ نضر بن حارث ایک پرجوش مشرک نے اٹھ کر کہا۔ "محمدؐ کو طوق و سلاسل میں پابند

تھا۔ ان کے پاس ایک مضبوط قلعہ تھا۔ مشرکین قریش کی ایذاء رسانیوں کو دیکھ کر حضرت طفیلؓ نے حضورؐ سے استدعا کی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ قبیلۂ دوس کا بچہ بچہ کٹ مریگا۔ لیکن آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دے گا۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ میں حکمِ الٰہی کے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔

کر کے ایک کوٹھڑی میں محبوس کر دو اور کھانے پینے کے لیے مطلق کچھ نہ دو۔ بھوک پیاس اور قید و بند کے مصائب خود بخود اس کا خاتمہ کر دیں گے۔"

نجدی پیر فرتوت نے کہا۔ "تجویز تو معقول ہے لیکن مجھے خدشہ ہے کہ اس قسم کا اقدام خانہ جنگی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا کیونکہ بنو ہاشم اور "خود ساختہ خدائے واحد" کے پرستار محمدؐ کو چھڑانے کی کوشش کریں گے اور ہم یقیناً ان سے بھڑ جائینگے۔"

اب امیہ بن خلف اٹھا اور اس نے کہا

"نضر کی تجویز سے مجھے بھی اختلاف ہے بہتر یہ ہے کہ محمدؐ کو زبردستی مکہ سے نکال دیا جائے۔ نہ وہ یہاں ہوگا نہ فتنہ پھیلے گا۔"

صدرِ مجلس نے اس تجویز کو بھی پرخطر کہہ کر رد کر دیا۔

اب مکہ کا شیطانِ اعظم عمرو بن ہشام (ابوجہل) اٹھا اور اس نے کہا:۔

"میری رائے میں ہر قبیلے سے ایک جنگجو چنا جائے۔ یہ سب جنگجو تلواریں لے کر بیک وقت محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح کسی ایک شخص یا قبیلہ پر اس کے قتل کی ذمہ داری عائد نہ ہو گی اور بنو ہاشم میں یہ طاقت کہاں کہ وہ تمام قبائل کی متحدہ قوت کا مقابلہ کر سکیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ خوں بہا کا مطالبہ کریں گے۔ اس کا ادا کرنا ہمارے لیے چنداں مشکل نہیں۔"

بوڑھے شیطان اور دوسرے لوگوں نے ابوجہل کی تجویز سے اتفاق کیا اور اس پہ واہ واہ کے ڈونگرے برسائے اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ سارے قبیلوں کے چیدہ جنگجو رات کو کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر لیں اور جب محمدؐ باہر نکلیں تو سب تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔

(۳)

ہجرت نبوی

جب رسالتمآبؐ کے خلاف یہ سازش ہو رہی تھی تو عبدالمطلب کی بھتیجی رُقیقہ بنت صیفی کہیں پاس ہی کفار کی باتیں سن رہی تھیں وہ دوڑی دوڑی سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں پہنچیں اور آپؐ کو کفار کے بدعزائم سے مطلع کردیا ادھر جبریلِ امین بھی تشریف لاچکے تھے اور حضورؐ کو حکمِ الٰہی سنا دیا تھا کہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے جایئے۔ سرورِ کائنات نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اے علیؓ تم میرے بچھونے پر میری سبز چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ انشاء اللہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ صبح کو لوگوں کی امانتیں واپس کرکے تم بھی یثرب پہنچ جانا۔"

رات کو کفار نے کاشانۂ اقدس کے گرد گھیرا ڈال لیا کچھ رات گئے حضورؐ سورہ یسین کی یہ آیت پڑھتے ہوئے کفار کے درمیان سے نکل گئے۔

وجعلنا من بين ايديهم سدا و من خلفهم سدا
فاغشينٰهم فهم لا يبصرون ٥

ترجمہ: (اور ہم نے ان کے سامنے اور پیٹھ پیچھے سے ایک دیوار حائل کردی کہ وہ کچھ نہیں دیکھ پاتے تھے۔)

اللہ تعالےٰ نے مشرکین کو ایسا بے خبر کیا کہ وہ حضورؐ کو دیکھ ہی نہ سکے۔[۱]

---

[۱] شاعرِ اسلام حفیظ جالندھری نے اس موقعہ کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا ہے

ارادہ کرلیا جب سرورِ عالمؐ نے چلنے کا ۔۔۔ تو دیکھا راستہ مسدود ہے گھر سے نکلنے کا
دروازوں میں جھانکا ہر طرف گہرا اندھیرا تھا ۔۔۔ مگر بیٹھے کھڑے تھے گھر کو جاہلوں نے گھیرا تھا

حضورؐ یہاں سے نکل کر حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور انہیں سارا ماجرا بتایا۔ صدیق اکبرؓ کو کچھ عرصہ پہلے ہی حضورؐ اپنے ارادۂ ہجرت سے مطلع فرما چکے تھے صرف حکمِ الٰہی کا انتظار تھا۔ اب جو صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کو آمادۂ ہجرت پایا تو جلد جلد سفر کی تیاری کی۔ ان کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ نے دو تین دن کا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ کھانا اور پانی کا برتن باندھنے کے لیے کوئی کپڑا نہ ملا تو جلدی سے اپنے کمر بند (نطاق) کے دو ٹکڑے کیے ایک سے پانی کے مشکیزے کا منہ باندھا اور دوسرے میں کھانا لپیٹا۔ اسی دن سے وہ ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام اندوختہ بھی ہمراہ لے لیا کہ غریب الوطنی میں کام آئے گا۔ رات کے پچھلے پہر سرورِ کائناتؐ اپنے رفیق صادقؓ کے ہمراہ مکہ سے نکلے اور تین چار میل چل کر غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ غار میں قیام فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ کفار کے تعاقب کا خدشہ تھا۔ یہ ایک پرانا غار تھا اور اس میں حشرات الارض کے بیسیوں روزن تھے۔ رسول کریمؐ تھک گئے تھے غار میں پہنچ کر صدیق اکبرؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ غار میں داخل ہوتے وقت صدیق اکبرؓ نے اپنی قبا پھاڑ کر تمام سوراخ بند کر

اندھیرے میں چمک اٹھتی تھیں بجلی کی طرح دو دھاریں
نظر آیا کہ ہیں ہر سمت تلواریں ہی تلواریں

یہ آدھی رات کا عالم یہ ہیبت ناک نظارہ
مگر ڈرتا نہ تھا باطل سے وہ اللہ کا پیارا

وہ دُہراتا ہوا، وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا
تلاوت سورۂ یٰسین کی کرتا ہوا نکلا

گری برقِ نظر اس مجمعِ قاتل کی آنکھوں پر
کہ پٹی خیرگی کی بندھ گئی باطل کی آنکھوں پر

کھنچی ہی رہ گئیں خونریز و خون آشام شمشیریں
کسی نے کھینچ دی ہوں جس طرح کاغذ کی تصویریں

خدا نے خاکِ غفلت ڈال دی کفار کے سر میں
رسولؐ اللہ پہنچ حضرت صدیقؓ کے گھر میں

دئے صرف ایک سوراخ رہ گیا جس کے لیے کپڑا نہ بچا۔ رسولِ کریمؐ جب استراحت فرما ہوئے تو صدیق اکبرؓ نے اس سوراخ کے آگے اپنا پاؤں رکھ دیا۔ یہ سوراخ ایک سانپ کا بل تھا اس نے باہر کا راستہ بند پاکر صدیق اکبرؓ کے پاؤں کے انگوٹھے میں کاٹ کھایا۔ شدتِ درد سے صدیق اکبرؓ کے آنسو نکل آئے لیکن انہوں نے غار کے منہ سے پاؤں ہٹانا گوارا نہ کیا کہ مبادا سانپ باہر نکل کر حضور کو بھی ضرر پہنچائے۔ صدیق اکبرؓ کے آنسو رسول کریمؐ کے رخِ اقدس پر پڑے تو آپ جاگ پڑے پوچھا ابوبکر کیا ہوا؟ عرض کی "یا رسول اللہ مجھے سانپ نے ڈس لیا۔" سرورِ عالمؐ نے اسی وقت زخم پر اپنا لعابِ دہن لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آناً فاناً زہر کا اثر دور کر دیا۔

دوسری طرف مشرکین ساری رات کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ دیوار کی درزوں سے جھانک کر دیکھتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو سرورِ کائناتؐ سمجھ کر ان کے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔ صبح ہوئی تو ذاتِ رسالتؐ کی بجائے علی مرتضیٰ بستر سے اٹھے۔ کفار سخت سٹپٹائے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو پکڑ لیا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے کچھ نہ بتایا۔ آخر تھوڑی دیر خانہ کعبہ میں محبوس رکھ کر انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کفار صدیق اکبرؓ کے مکان پر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ باہر نکلیں۔ ابوجہل نے خشم آلود لہجے میں پوچھا۔ لڑکی تیرا باپ کہاں ہے؟ حضرت اسماء نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں۔"

ابوجہل کو سخت غصہ آیا۔ اسے یقین تھا کہ ابوبکرؓ کی بیٹی بناوٹ سے کام لے رہی ہے۔ فرطِ غضب میں اس نے حضرت اسماءؓ کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ان کے چہرے پر انگلیوں کے نشان جم گئے اور کان کی بالی گر گئی لیکن انہوں نے اف تک نہ

کی۔ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اب سرگرمی سے سرورِ کائنات اور صدیق اکبرؓ کی تلاش شروع کر دی۔ تلاش کرتے کرتے غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ جب ان کی باتوں کی آواز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سنی تو بہت مضطرب ہوئے اور کہا یا رسول اللہ دشمن ہمارے سر پر پہنچ گئے۔ حضورؐ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (مت غم کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے)

خدا کی قدرت کہ غار کے منہ پر ایک مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے غار کے منہ کے قریب گھونسلہ بنا کر انڈے سینے شروع کر دیئے تھے[1] کفار نے پہلے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں لیکن مکڑی کا جالا اور جنگلی کبوتروں کی موجودگی دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ غار کے اندر کوئی شخص نہیں گیا۔ چنانچہ وہ بے نیل مرام واپس چلے گئے اور مکہ پہنچ کر ابوجہل امیہ بن خلف اور دوسرے عمائدِ قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص محمدؐ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائینگے۔

غارِ ثور میں سرورِ کائناتؐ اور صدیق اکبرؓ تین دن رات مقیم رہے۔ حضرت عامر بن فہیرؓ جو صدیق اکبرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے بکریاں چراتے چراتے شام کو غار کے منہ پر لے آتے اور ان کا دودھ دوہ کر خدمتِ اقدس میں پیش کرتے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ اپنی بہن اسماءؓ کے ہمراہ رات کو چوری چوری رسول اکرمؐ اور صدیق اکبرؓ کو کھانا پہنچا آتے اور دن بھر کی خبریں بھی بتا آتے۔

تین دن کے بعد دونوں مراد اور مرید غار سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ نے دو فربہ

---

[1] بعض اربابِ سیر کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔

اور تیز رفتار سانڈنیاں غار کے منہ پر لا کھڑی کی تھیں۔ عامر بن فہیرہؓ اور عبداللہ بن اریقط ایک غیر مسلم لیکن قابلِ اعتماد رہبر کو ساتھ لے کر اللہ کی ان مقدس ترین ہستیوں نے ہجرت کے لمبے سفر کا آغاز فرمایا۔ عبداللہ بن اریقط کے مشورہ کے مطابق سیدھا راستہ چھوڑ کر ساحلِ بحر کا لمبا راستہ اختیار کیا گیا۔

قریش مکہ کا انعامی اعلان سن کر قبیلۂ بنو مدلج کا ایک مشہور شہسوار سراقہ بن مالک بن جعشم اپنے برق رفتار گھوڑے پر سرورِ کائناتؐ کے تعاقب میں روانہ ہوا کسی نے اس کے کان میں بھنک ڈال دی کہ ساحلِ بحر کی طرف کچھ سائے دیکھے گئے ہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہوں۔ سراقہؓ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا اور اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا سرورِ کائنات کے مقدس قافلے کے قریب جا پہنچا۔ صدیق اکبرؓ نے اسے دیکھ لیا اور عرض کی "دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا۔"

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا۔ "گھبراؤ نہیں اللہ ہمارا حافظ و ناصر ہے۔"

عین اس وقت سراقہ کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ نیچے آ رہا۔ شگون نیک نہیں تھا لیکن انعام کی ترغیب بھی بہت بڑی تھی پھر گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھنا چاہا۔ اب گھوڑا گھٹنوں تک ریت کے اندر دھنس گیا۔ سراقہ کی ہمت پست ہو گئی گڑگڑا کر کہا۔

"یا محمدؐ! میری توبہ اب آپ کا تعاقب نہ کروں گا اور اگر کوئی دوسرا شخص آپ کے تعاقب میں آتا ملا تو اسے بھی واپس لے جاؤں گا۔ از راہ کرم مجھے اس گرداب بلا سے نکال لیجے۔"

رحمتِ مجسمؐ نے سراقہ کے حق میں دعا مانگی اور اس کا گھوڑا ریت سے نکل آیا۔ سراقہ مرعوب ہو گیا اور رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں ایک تیر پیش کر کے کہا۔ "یا محمدؐ یہ میرا نشان

ہے فلاں مقام پر میرے کچھ غلام میرے اونٹ چرا رہے ہوں گے۔ آپ کو جس قدر غلاموں اور اونٹوں کی ضرورت ہو وہاں سے بے تکلف لے جائیں اگر مزید زادِ سفر درکار ہو تو وہ بھی مہیا کئے دیتا ہوں۔" [1]

حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ سراقہ کے علاوہ ایک شخص بریدہ اسلمی بھی اپنے قبیلہ کے ستر آدمیوں کے ساتھ حضورؐ کے تعاقب میں روانہ ہوا لیکن جب اسے حضورؐ سے ہمکلام ہونے کا موقع ملا تو اتنا متاثر ہوا کہ اپنے ہمراہیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنی پگڑی نیزہ پر باندھ لی اور لوگوں کو حضورؐ کی آمد کی خوشخبری سناتے آگے چل دیا۔ لیکن متعدد دوسری روایتوں سے اس واقعہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔

اثنائے راہ حضورؐ کو حضرت زبیرؓ بن العوام ملے جو شام سے تجارت کر کے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اکرمؐ اور صدیق اکبرؓ کی خدمت میں چند قیمتی (سفید) کپڑے پیش کئے۔

---

[1] سراقہؓ بن مالک (بن جعشم) فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔ اس وقت انہوں نے حضورؐ کو اپنے ناکام تعاقب کا واقعہ یاد دلایا۔ حضورؐ متبسم ہوئے۔ اس موقعہ پر رسولِ اکرمؐ نے ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرمائی جس کی بدولت سراقہؓ کو تاریخ اسلام میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ حضورؐ نے سراقہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "سراقہ اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم کسریٰ (شاہ ایران) کے کنگن پہنو گے۔" حضورؐ کا ارشاد فی الحقیقت مستقبل قریب میں مسلمانوں کے فاتح ایران بننے کی پیشینگوئی تھی۔ جب عہد فاروقی میں ایران کے دارالسلطنت مدائن پر مسلمان قابض ہوئے اور

(۴)

قبا میں ورودِ مسعود

مدینہ منورہ میں کسی ذریعہ سے یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سرورِ کونین ارضِ یثرب میں تشریف لایا ہی چاہتے ہیں۔ تمام شہر ہمہ تن انتظار اور پیکرِ اشتیاق بنا ہوا تھا۔ انصارؓ کے ہر فرد پر بے پناہ فرحت و انبساط کا عالم طاری تھا۔ ان کے ذوق و شوق اور بے تابی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ چلچلاتی دھوپ میں مدینہ سے تین چار میل چل کر حرّہ تک جاتے۔ دوپہر تک حضورؐ کا انتظار کرتے رہتے اور پھر ایک گونہ حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے۔ ان مشتاقانِ زیارت میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی ہوتے۔ ادھر سرورِ عالمؐ خرا، اثقف، مرجح، حدایذ، رابغ، عبکا، عقیق وغیرہ مختلف منازل طے کرتے ہوئے آٹھ ربیع الاوّل ۱۳ نبوت بروز پنجشنبہ قُبا کے قریب پہنچ گئے۔ اس دن بھی انصار معمول کے مطابق انتظار کرنے کے بعد مایوس واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ (یا ایک ٹیلہ) کی بلندیوں سے حضورؐ کی سواری دیکھ لی اور پہچان گیا کہ یہ وہی "صاحب قریش" ہیں جن کا انصار کو انتظار ہے۔ (حضورؐ نے جب دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مکّہ سے باہر اہل عرب میں آپؐ "صاحب قریش" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے) اس نے انصار کو آواز دی "بنو قیلہ تمہارے صاحب آ پہنچے"۔ اس آواز کا انصار کے کانوں میں پڑنا تھا کہ وہ فرطِ مسرت سے دیوانے ہو گئے۔ تکبیر کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کر دیئے اور رحمۃ للعالمینؐ کی زیارت کے لیے جمع

کسریٰ کے کنگن مال غنیمت میں مدینہ پہنچے تو فاروق اعظمؓ کو رسول اکرمؐ کا ارشاد یاد آ گیا۔ آپ نے سراقہؓ کو اپنے سامنے بلایا اور کسریٰ کے کنگن ان کے ہاتھوں میں پہنائے۔

ہو گئے جو لوگ گھروں میں تھے وہ بھی اپنے ہتھیار لے کر بے تابانہ قبا کی طرف اٹھ دوڑے۔

غرض سے
نظر آئی جونہی پہلی جھلک روئے پیمبر کی
سلامی گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی
اکٹھے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے

(حفیظ جالندھری)

حضور کھجور کے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ مہاجرین (جو حضور سے پہلے یہاں آ گئے تھے) اور انصارؓ گروہ در گروہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور شرف قدمبوسی حاصل کرتے۔ حضور آٹھ دن کے طویل سفر سے تھک گئے تھے اس لیے آپ نے چند دن قبا ہی میں قیام کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ یہ مژدۂ جانفزا اہل قبا کے لیے باعث صد ہزار سعادت تھا۔

قبا مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے اس کی سطح مرتفع ہے یہاں انصار کے کئی خاندان آباد تھے۔ ان میں قبیلہ اوس کی ایک معزز شاخ عمرو بن عوف کا خاندان بھی تھا۔ اس خاندان کے سردار حضرت کلثوم بن الہدم[1] تھے۔ قبا میں سرورِ کونین

---

[1] حضرت کلثومؓ بن الہدم رئیس عمرو بن عوف کا لقب "صاحب رحل رسول اللہ" ہے۔ وہ اگرچہ نہایت ضعیف العمر ہو چکے تھے لیکن صدائے توحید سنتے ہی آبائی مذہب ترک کرنے میں ایک لمحہ بھی توقف نہ کیا۔ غزوۂ بدر سے کچھ عرصہ پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ قبا میں رسول اکرم کا شرف میزبانی اور مسجد قبا کا ان کی زمین پر تعمیر ہونا ان کی عظمت و جلالت پر دال ہے۔

کی میزبانی کا شرف قسامِ ازل نے حضرت کلثوم بن الہدم کے مقدر میں لکھ رکھا تھا حضورؐ نے انہی کے مکان کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ البتہ لوگوں سے ملاقاتوں کے لیے حضورؐ حضرت سعدؓ بن خثیمہ کے مکان میں تشریف لے آتے تھے۔ تین دن کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی لوگوں کی امانتیں واپس کر کے رسول اللہ سے قبا میں آملے۔

(۵)

مسجد قبا کی تاسیس قبا میں رسول اکرمؐ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجد کی تعمیر کا کام تھا۔ اس مسجد کی زمین پر پہلے حضرت کلثومؓ کا مربد تھا۔ مربد وہ افتادہ جگہ ہوتی ہے جہاں کھجوریں خشک کر کے چھوہارے بنائے جاتے ہیں۔ حضرت کلثومؓ کو تعمیر مسجد کے لیے حضورؐ کی خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت خوشی سے یہ زمین حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔ چنانچہ سرورِ کونینؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس مقدس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی شان میں یہ آیات اتریں۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (۹:۱۰۸)

ترجمہ: "وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن (شروع ہی میں) پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لیے) کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور حق تعالیٰ صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضورؐ ہمیشہ ہر شنبہ کو مدینہ سے قبا تشریف لاتے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضورؐ دوسرے لوگوں

کے ساتھ مزدوروں کی طرح خود بھی کام کرتے تھے۔ جسم اطہر وزنی پتھر اٹھاتے وقت خمیدہ ہو جاتا۔ صحابہ کرامؓ عرض کرتے "یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ یہ کام ہم خود کر لیں گے" حضورؐ اپنے جاں نثاروں کی دلداری کے لیے ہاتھ کا پتھر چھوڑ دیتے لیکن پھر کوئی دوسرا وزنی پتھر اٹھا لیتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

شاعرِ انصار حضرت عبداللہؓ بن رواحہ (شہید موتہ) بھی تعمیر مسجد میں شریک تھے وہ تھکن مٹانے کے لیے کام کرتے کرتے اپنے یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

افلح من یعالج المساجدا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور
ویقرأ القرآن قائماً و قاعداً	اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات
ولا یبیتُ اللّیلَ عنہُ راقِدًا	کو غافل ہو کر نہیں سوتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ حضورؐ نے قبا میں باختلاف روایت چار دن یا چودہ دن قیام فرمایا۔ صحیح بخاری میں مدت قیام چودہ دن ہے اور دوسری تمام روایتوں میں چار دن۔ زمانۂ حال کے مورخین میں علامہ شبلی نعمانی نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے لیکن رحمۃٌ للعالمین کے مصنف قاضی سلمان منصورپوری نے چار دن والی روایتوں کو اپنایا ہے۔ بہرصورت جمعہ کے دن حضورؐ نے مدینہ کا قصد فرمایا۔

زمینِ یثرب رشکِ آسمان بن گئی

(۱)

تاریخ اسلام کا ایک تابناک دن

جس دن ارضِ یثرب کو سالارِ انبیاء فخرِ موجودات خیر البشرؐ کے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ تاریخ اسلام کا ایک تابناک دن ہے۔ سرورِ عالمؐ نے اندرونِ یثرب جانے کے لیے اپنی اونٹنی قصویٰ طلب فرمائی تو انصارِ قبا حضورؐ کی جدائی کے خیال سے افسردہ خاطر ہو گئے۔ قبیلۂ عمرو بن عوف کے عمائد حضورؐ کی اونٹنی کے آگے کھڑے ہو گئے اور عرض کی "یا رسول اللہ ہم سے کوئی کام مزاج گرامی کے خلاف تو سرزد نہیں ہوا یا حضور ہمارے غریب خانوں سے کسی بہتر قیام گاہ میں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "میں جہاں جا رہا ہوں مجھے وہیں جانے کا حکم ہے۔"

اس سے پہلے رہبرِ عالمؐ نے اپنے ارادہ سے بنو نجار کو مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ نہایت مسرت و ابتہاج کے عالم میں ہتھیار سجا کر حضورؐ کی پیشوائی کے لیے قبا آ پہنچے۔ کوکبۂ نبوی قبا سے روانہ ہوا تو آگے پیچھے دائیں بائیں انصار و مہاجرین کی مسلح جماعتیں چل رہی تھیں۔ انصار کے تمام قبیلے رحمۃ للعالمین کے انتظار میں قبا سے مدینہ تک ہتھیاروں

سے آراستہ دو رویہ صف بستہ کھڑے تھے۔ دھوپ میں ان کے ہتھیاروں کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی اور فضا تکبیر اور اہلاً وسہلاً کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

(۲)

سرورِ کونین صلعم کی پہلی نمازِ جمعہ

اثنائے راہ بنو سالم کے محلہ میں (جو یثرب کا ایک بیرونی محلہ تھا) نماز کا وقت آ گیا۔ سرورِ کونین صلعم یہاں ٹھہر گئے اور تمام صحابہ کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ ہادیٔ اکرم کی سب سے پہلی نمازِ جمعہ تھی اور سب سے پہلا خطبۂ نماز تھا۔ رہبرِ عالم نے اپنے خطبہ میں رب العزت کی حمد و ستائش بیان کی۔ لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی تلقین فرمائی اور ان پر واضح کیا کہ ایک دن ہم سب کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آخرت کے لیے نیک عمل کرے اور تقویٰ و طہارت کو اپنی زندگی کا شعار بنائے۔

(۳)

سرورِ کونین صلعم کا فقید المثال استقبال

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر ہادیٔ اکرم یثرب کی جنوبی سمت سے شہر میں داخل ہوئے۔ رحمۃ للعالمین کا یثرب میں داخلہ دنیائے شوق اور تاریخ عشق میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ جس والہانہ جوش و خروش اور فقید المثال ذوق و شوق سے اہل یثرب نے مکہ کے دُرِّ یتیم کا استقبال کیا۔ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس دن "یثرب" مدینۃ النبی بن گیا اور اس کی زمین رشکِ آسمان بن گئی۔ انصار کے وفورِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ قبا سے لے کر مدینہ تک تین میل کا راستہ جمالِ رسالت کے مشتاقانِ دید سے پٹا پڑا

تھا۔ یہ مدینہ کی تاریخ کا سب سے بڑا یوم مسرت تھا۔

خاکِ یثرب کے ذرات ابھر ابھر کر ہمہ تن دیدہ بن گئے تھے کہ آج انھیں اس رحمت مجسمؐ کے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف حاصل ہونے والا تھا جو تمام کائنات ارضی و سماوی کا سرمایۂ افتخار تھا۔ بچے اور عورتیں بھی پیکرِ ابتہاج بنے ہوئے تھے۔ سارا شہر جوشِ مسرت اور فرطِ عقیدت سے گہوارۂ بہار بنا ہوا تھا اور فضا تحمید و تقدیس کے نغموں سے گونج رہی تھی۔ مدینہ کے حبشی غلام وفورِ مسرت میں اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے اور بچے جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہ ۔ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہ (رسول اللہ آئے۔ رسول اللہ آئے) کے نعرے لگاتے ہوئے ہر طرف خوشی سے اچھل کود رہے تھے۔ جوشِ مسرت میں پردہ نشین خواتین بھی گھروں کی چھتوں پر نکل آئی تھیں۔ مکانوں کی بالائی منزلیں اور منڈیریں ان خواتین سے پٹی پڑی تھیں۔ دوشیزہ لڑکیاں غرفوں اور جھروکوں سے جھانک رہی تھیں۔ راہ میں انصار کا ہر قبیلہ بصد نیاز سرورِ کونینؐ کے سامنے آتا اور عرض کرتا :۔

"یا رسول اللہ ہمارا گھر حاضر ہے ، جان حاضر ہے ، مال حاضر ہے۔"

حضورؐ ہر قبیلہ کے احسان کا اعتراف فرماتے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

جس وقت کوکبۂ نبوی کسی کوچے میں داخل ہوتا تو دونوں طرف کے مکانات کی چھتوں پر ایستادہ پردہ نشینانِ انصار کے لبوں پر وجدانہ طور پر یہ ترانہ جاری ہو جاتا

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا — ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے

مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ — کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا — ہم پر خدا کا شکر واجب ہے

مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ ۔۔۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا ۔۔۔ اے ہم میں مبعوث ہونے والے
جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ ۔۔۔ آپ ایسے امر کے ساتھ آئے ہیں جس کی اطاعت فرض ہے۔

بنو نجار کے جوش و خروش اور مسرت و ابتہاج کی تو کوئی انتہا نہ تھی۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ سرورِ عالمؐ انہیں ہی شرف میزبانی بخشیں گے اور اس طرح ان کو محبوب کبریاؐ کے ہمسایہ بننے کی سعادت نصیب ہو گی۔ بنو نجار کی معصوم بچیاں دف بجا بجا کر یہ ترانہ گا رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ ۔۔۔ ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارٍ ۔۔۔ محمدؐ کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں۔

سرورِ کائناتؐ ان لڑکیوں کے پاس سے گزرے تو متبسم ہو کر ان سے فرمایا۔
"بچیو کیا تم مجھے چاہتی ہو۔"
انہوں نے بیک آواز کہا۔ "ہاں یا رسول اللہ"
حضورؐ نے فرمایا "تم بھی مجھ کو عزیز ہو۔"

سرورِ عالمؐ کے خادمِ خاص حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے اس دن سے زیادہ مبارک اور پُر مسرت دن کوئی دن نہیں دیکھا جس میں رسولِ اکرمؐ رونق افروزِ مدینہ ہوئے۔ اس دن مدینہ کے در و دیوار طلعتِ اقدس سے جگمگا اٹھے (مسند دارمی)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے رسول اکرمؐ کی ہجرت اور مدینہ میں نزولِ اجلال کے واقعہ کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے۔

جبکہ آمادۂ خوں ہو گئے کفارِ قریش — لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز — گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرتِ ابوبکرؓ تھے ہمراہ رکاب — ان کی اخلاق شعاری تھی جو منظورِ نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے — کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
چونکہ سو اونٹ کا انعام تھا قاتل کے لیے — آپؐ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
انہی لوگوں میں سراقہ خلفِ جعشم تھے — جن کو فاروقؓ نے اک روز پہنائے تھے گہر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں — تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر
بیمِ جاں۔ خوفِ عدو۔ ترکِ غذا۔ سختیٔ راہ — ان مصائب میں ہوئی شبِ ہجرت کی سحر
یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسولؐ آتے ہیں — راہ میں آنکھیں بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آ کر اشعار — نغمہ ہائے "طلع البدر" سے گونج اٹھے گھر
ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے — نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باہر
آلِ نجار چلے شہر سے ہو کر تیار — زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر
دفعتاً کوکبۂ شاہِ رسلؐ آ پہنچا — غل ہوا صلِ علیٰ خیرِ اناس و بشر
جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکس فگن — دفعتہً تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ نظر
طور پر حضرتِ موسیٰ کی صدا آتی تھی — آج اک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے — مہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرور
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہہ دل حاضر ہے — آنکھیں کہتی تھیں کہ دو در بھی ہیں گھر
ہاں مبارک تجھے اے خاکِ حریمِ نبوی — آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر

صلِ یا ربّ علیٰ خیرِ نبی و رسول

صلِ یا ربّ علیٰ افضلِ جن و بشر

شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری نے سرورِ کونینؐ کے مدینہ میں ورودِ مسعود کی تصویر کشی اس طرح کی ہے۔

اٹھی اک روز آواز بلند اللہ اکبر کی — سواری جانب یثرب بڑھی محبوبِ داور کی
ہوا چاروں طرف فضائے یثرب میں پکار آئی — بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی
جوان و پیر مرد و زن سراپا چشم ہو بیٹھے — بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم ہو بیٹھے
جنوبی سمت اٹھا ایک نورانی غبار آخر — سوادِ شہر میں داخل ہوا ناقہ سوار آخر
کھڑے تھے راہ میں انصار ہر سو صف بصف ہو کر — مہاجر پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہو کر
فضائیں بھر گئیں توحید کی آزاد تکبیریں — یہ تکبیریں تھیں باطل کے گلوں پر تیز شمشیریں
در و دیوار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر — زمیں کیا آسماں بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر
نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی — درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی
مسلماں بیبیاں گھر کی چھتوں پر جمع ہو ہو کر — نظر سے چومتی تھیں عصمتِ دامانِ پیغمبرؐ
ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب — نبی کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا۔ دوسری طرف یثرب کے یہود و نصاریٰ اور منافقین کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ رحمتِ دو عالمؐ کے جلال سے بزمِ کفر و شرک میں بھونچال آگیا۔ رقصِ زبانِ آذری رعشۂ خوف بن گیا۔ پیکرِ لات و ہبل میں تھرتھری پڑ گئی۔ بدبخت یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف کی پیشینگوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور سرگردہ

منافقین عبداللہ بن ابی کی "شاہ یثرب" بننے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ حیرت ہے ان لوگوں کی حرماں نصیبی پر کہ ماہِ رسالت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ان کے درمیان جلوہ بار رہا اور وہ پھر بھی سعادت ایمانی سے محروم رہے۔ سچ ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

(۱)

اشتیاق وتمنا کی بے تابیاں

کوکبۂ نبوی جوں جوں آگے بڑھتا تھا۔ انصار کے اشتیاق وتمنا کی بے تابیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ انصار کا ہر قبیلہ اور فرد سراپا اشتیاق بنا ہُوا تھا۔ ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ رحمت دو عالمؐ کا شرف میزبانی اسے حاصل ہو۔ سب جانتے تھے کہ رحمتوں کا یہ بادشاہ، امن کا شہزادہ اور لطف وکرم کا یہ پیکرِ جمیلؐ جس کے گھر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازے گا۔ رحمت کے فرشتے اس کی دہلیز پر پہرہ دیں گے۔ اللہ کی نعمتیں اس کے گھر میں اتریں گی اور دین و دنیا اس کے ہاں مکمل ہو جائے گی۔ اسی لیے حضورؐ کا میزبان بننے کے لیے انصارؓ میں سخت کشمکش تھی۔ رؤسائے قبائل حضرت عتبانؓ بن مالک، عباسؓ بن عبادہ، عبداللہؓ بن رواحہ، سعدؓ بن عبادہ، خارجہؓ بن زید، زیادؓ بن لبید، فردہؓ بن عمرو، سعدؓ بن ربیع، سلیطؓ بن قیس، منذرؓ بن عمرو، ابو سلیط اسیرہؓ بن ابی خارجہ نے فرداً فرداً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "یا رسول اللہ ہمارا غریب خانہ حاضر

ہے۔ اس میں قدم رنجہ فرمائیے

گر تو بہ فرق ما نشینی ——— نازت بہ کشم کہ نازنینی

سرورِ کونینؐ پر اس وقت وحی کی کیفیت طاری تھی آپ اپنے چاہنے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور پھر فرماتے

خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ

(اس (ناقہ) کو چھوڑ دو یعنی اس کا راستہ نہ روکو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے)

حضورؐ نے اس وقت اونٹنی (قصویٰ) کی مہار چھوڑ رکھی تھی اور حکمِ الٰہی کے منتظر تھے۔ ہادیٔ اکرمؐ کا ارشاد سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔ اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں وہ کون خوش نصیب ہے جسے رحمۃ للعالمین کی میزبانی کی سعادتِ عظمےٰ حاصل ہوتی ہے۔

(۲)

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

قصویٰ (ہادیٔ اکرمؐ کی ناقہ) چلتے چلتے بنو نجار کے محلے میں پہنچی اور اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آج کل مسجدِ نبوی کا بڑا دروازہ ہے۔ حضورؐ اس پر سے نہ اترے۔ قصویٰ پھر اٹھی اور تھوڑی دور چل کر واپس آئی اور اسی جگہ پر جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ دونوں پاؤں جما کر بیٹھ گئی۔ اس جگہ کے بالکل قریب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا وہ فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے اور دوڑ کر حضورؐ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اس اثناء میں بنو نجار کے دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچ گئے اور ہر ایک اصرار کرنے لگا کہ یا رسول اللہ میرے غریب خانے پر نزولِ اجلال فرمائیں۔ ادھر حضرت

ابوایوبؓ نے عرض کی "یارسول اللہ یہ اس مسکین کا گھر ہے اجازت ہو تو حضور کا سامان اتار دوں" حضور کسی کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ "قرعہ ڈال لو" قرعہ ڈالا گیا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام نکلا گویا فخر دو جہاںؐ کی میزبانی کا شرف رب العزت نے ہی ان کے مقدر میں لکھ رکھا تھا۔ حضرت ابوایوب نے نہایت مسرت سے سرورِ کونینؐ کا سامان ناقہ سے اتارا اور ان کا گھر انوارِ رسالت کی ضیا باریوں سے جگمگانے لگا ؎

کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

ایک روایت میں ہے کہ اونٹنی کے بیٹھتے ہی حضرت ابوایوبؓ دوڑ کر آگے بڑھے اور حضورؐ کو اہلًا و سہلًا کہا۔ حضورؐ نیچے اترے تو حضرت ابوایوبؓ اونٹنی سے کجاوہ اتار کر فوراً اپنے مکان کے اندر لے گئے۔ دوسرے لوگوں نے آپؐ کو اپنے ہاں لے جانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا۔ "آدمی وہیں قیام کرتا ہے جہاں اس کا کجاوہ ہو" چنانچہ سب خاموش ہو گئے اور حضورؐ حضرت ابوایوبؓ کے گھر رونق افروز ہوئے بعض دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات عمداً حضرت ابوایوبؓ کے ہاں ٹھہرے کیونکہ وہ بنو نجار کے رئیس تھے اور بنو نجار سے حضورؐ کی قرابت تھی لیکن ان روایتوں میں اس بات کی تصریح نہیں کی گئی کہ بنو نجار کے کسی دوسرے رئیس کے ہاں رسول اکرمؐ نے کیوں قیام نہ فرمایا اور یہ سعادت دارین حضرت ابوایوبؓ انصاری ہی کو کیوں نصیب ہوئی حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ حکم الٰہی کے تحت ہوا۔ خواہ قرعہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام نکلا ہو یا حضورؐ عمداً ان کے ہاں ٹھہرے ہوں۔ بہر صورت رضائے الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوا۔ فی الحقیقت سرورِ کونینؐ کی میزبانی کے لیے رب العزت کی طرف سے

حضرت ابو ایوبؓ کا انتخاب ان کی عظمت کی دلیل ہے ع
یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا[1]

(۴۳)

سید البشر کی والہانہ خدمت

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا ایک کمرہ نیچے اور ایک اوپر۔ حضرت ابو ایوبؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ غریب خانہ کی بالائی منزل میں قیام فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا "نہیں میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت رہے گی۔ اس لیے نچلی منزل ہی میرے قیام کے لیے موزوں ہے۔" چنانچہ حضورؐ کی خواہش کے مطابق حضرت ابو ایوبؓ نے مکان کی زیریں منزل خالی کر دی اور خود بالاخانے میں فروکش ہو گئے۔ لیکن حضرت ابو ایوبؓ اور ان کی اہلیہ کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں

---

[1] ابن اسحاق نے کتاب المبتدا میں ایک عجیب روایت بیان کی ہے وہ یہ کہ تبع اول جس کا نام اسعد بن کلیکرب تھا وہ مدینہ کی سرزمین سے گزرا تو اس کے ہمراہ چار سو عالم تھے وہ سب اسی جگہ رہنے پر مصر ہوئے۔ تبع نے ان کے اصرار کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ جگہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت ہے۔ ہم یہاں اس لیے آباد ہونا چاہتے ہیں کہ شاید ہم ان کی زیارت سے مشرف ہو جائیں۔ تبع نے ان کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی اور ان کے سب سے بڑے عالم کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا اس تحریر میں یہ دو شعر تھے

شَهِدتُ عَلَى اَحمَد اَنَّه   رَسُولٌ مِنَ اللهِ بَارِي النَّسَمَه

مقیم ہیں اور مہبطِ وحی درسالت نچلی منزل ہیں۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ایک روز بالاخانے پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ حضرت ابوایوبؓ اس خیال سے مضطرب ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور سرورِ عالمؐ کو تکلیف ہو گی۔ گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا۔ تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف کی روئی ہیں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو دونوں میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا

سرورِ کونینؐ اگرچہ اپنی خوشی سے زیریں منزل ہیں مقیم تھے لیکن حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ کو بالاخانہ کی سکونت سخت ناپسند تھی۔ یہ خیال ان کے لیے سوہانِ روح تھا کہ فخرِ موجودات، خیر البشر، سیّد الرسل سرورِ کون و مکاں تو تحتانی منزل ہیں مقیم ہوں اور ان کے ادنےٰ ترین خدام بالائی منزل ہیں۔

یہ روحانی اذیت ایک رات کو اسقدر شدت اختیار کر گئی کہ دونوں میاں بیوی

(میں احمدؐ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ وہ خالقِ کائنات کے رسول ہیں)

فلو مدّ عمری الیٰ عمرہٖ لکنتُ وزیراً لہٗ وابن عم

(اگر میری عمر ان کے زمانہ تک دراز کر دی جاتی تو میں ان کا وزیر اور ابن عم (یعنی مددگار) ہوتا)

یہ تحریر نسلاً بعد نسلٍ حضرت ابوایوبؓ کے پاس پہنچی۔ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ کی ہجرت کے وقت یہ تحریر حضرت ابوایوبؓ کے پاس بجنسہٖ موجود تھی۔ لیکن اکثر اہلِ سِیَر کے نزدیک یہ روایت پایۂ ثقاہت سے گری ہوئی ہے اور قابلِ اعتبار نہیں۔

چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی۔ صبح ہوئی تو حضرت ابو ایوبؓ سرورِ کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔" حضورؐ نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہمیں ہر لحظہ آپ کی بے ادبی کا اندیشہ دامنگیر رہتا ہے۔ رات کو اس اندیشہ نے شدت اختیار کر لی۔ یا رسول اللہ ہم غلاموں پر کرم فرمائیے اور بالاخانے پر تشریف لے چلیے۔ حضورؐ کے غلاموں کے لیے آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعثِ سعادت ہے۔" سرورِ کونینؐ نے ابو ایوبؓ کی درخواست قبول فرمالی اور اوپر کی منزل پر منتقل ہو گئے۔ حضرت ابو ایوبؓ اور ان کی اہلیہ نے بکمال مسرت نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔

سرورِ کائناتؐ چھ یا سات مہینے حضرت ابو ایوبؓ کے گھر مقیم رہے اس عرصہ میں حضرت ابو ایوبؓ نے جس والہانہ عقیدت سے رحمتِ دو عالمؐ کی خدمت کی وہ ان کے عشقِ رسولؐ پر دال ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ دونوں وقت ہادیٔ اکرمؐ کی خدمت میں ماحضر پیش کرتے۔ بعض اوقات دوسرے انصار کے ہاں سے بھی کھانا آجاتا۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا حضورؐ اسے ابو ایوبؓ کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت ابو ایوبؓ کی عقیدت کیشی اور حبِ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں جہاں سرورِ عالمؐ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے بہ خیالِ تبرک و اتباعِ رسولِ الٰہی پر اپنی انگلیاں رکھ کر کھانا تناول کرتے۔ ایک دفعہ کھانا جوں کا توں واپس آگیا۔ حضرت ابو ایوبؓ مضطرب ہو کر رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ "یا رسول اللہ

میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے آج کھانا تناول نہیں فرمایا" حضور نے فرمایا۔
"ہاں آج کھانے میں لہسن تھا اور مجھے لہسن مرغوب نہیں"
حضرت ابوایوبؓ نے عرض کیا۔ "انی اکرہ ما تکرہ"
"جو حضور کو پسند نہیں اسے میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔"[1]

(۴)

حضرت عبداللہؓ بن سلام آغوشِ اسلام میں

ماہِ رسالتؐ کے خانۂ ابوایوبؓ میں جلوہ بار ہونے کے ابتدائی ایام میں حضرت عبداللہؓ بن سلام کے قبولِ اسلام کا اہم واقعہ پیش آیا۔ عبداللہؓ بن سلام یہود کے جلیل القدر عالم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ ان کا اصل نام "حُصَین" تھا اور وہ یہود بنی قینقاع سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے رسول کریمؐ کے یہ کلماتِ طیبات سنے

افشوا السلام و اطعموا الطعام و صلوا الارحام و صلوا باللیل والناس نیام۔

اپنے بیگانے سب کو سلام کیا کرو اور (بھوکوں محتاجوں کو) کھانا کھلایا کرو۔ اور خونی رشتوں کو جوڑے رکھو (قطع رحمی نہ کرو) اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں۔

---

[1] لہسن شریعتِ اسلامیہ میں حرام نہیں ہے۔ چونکہ اس کے کھانے سے منہ میں ناخوشگوار سی بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے رسولِ اطہرؐ طبعاً اس سے کراہت فرماتے تھے۔ یہ حضرت ابوایوبؓ کا عشق و اتباعِ رسولؐ تھا کہ جس چیز کو حضور نے ناپسند فرمایا انہوں نے بھی اس سے کراہت کا اظہار کیا۔

یہ ہدایت آموز کلمات سن کر حضرت عبداللہ کا دل نورِ ایمان سے جگمگا اٹھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبیؐ آخرالزماں ہیں جن کی بعثت کی پیشینگوئی صحائفِ قدیمہ میں درج ہیں۔ دوسرے دن رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چند پیچیدہ مسائل دریافت کیئے۔ حضورؐ نے ان کا اطمینان بخش جواب دیا تو عرض کی "یا رسول اللہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں"۔ حضورؐ نے ان کے قبول اسلام پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ان کا اسلامی نام "عبداللہ" رکھا۔ اب حضرت عبداللہ نے عرض کی" یا رسول اللہ میری قوم بڑی بدطینت اور مفتری ہے انہوں نے سن لیا کہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہوں تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان باندھیں گے اس لیے میرے اسلام کی خبر کے اظہار سے پہلے ان سے دریافت کرلیں کہ ان کی میرے متعلق کیا رائے ہے"

حضورؐ نے یہود کے اکابر کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ "تم توریت میں نبیؐ آخرالزمان کی نشانیاں پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں میں تمہارے سامنے دین حق پیش کرتا ہوں اسے قبول کر کے فلاحِ دارین حاصل کرو۔"

یہودیوں نے جواب دیا۔ "ہم نہیں جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں"۔

سرورِ عالمؐ نے فرمایا۔ "حصین بن سلام تمہاری قوم میں کیسے ہیں؟"

سب یہودیوں نے بیک آواز جواب دیا۔ "وہ ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں۔ وہ ہمارے عالم ہیں اور عالم کے بیٹے ہیں وہ ہم میں سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے فرزند ہیں"۔

حضورؐ نے فرمایا: "اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے۔"
یہودی ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ "خدا انہیں آپ کی حلقہ بگوشی سے محفوظ رکھے۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

اب حضورؐ نے حضرت عبداللہؓ بن سلام کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ وہ کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکلے اور یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اے برادران قوم خدائے واحد سے ڈرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

حضرت عبداللہؓ کا قبول اسلام یہود پر برق خاطف بن کر گرا وہ غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے۔ "یہ شخص (عبداللہ بن سلام) ہم میں سب سے برا اور سب سے برے کا بیٹا ہے۔ ذلیل بن ذلیل اور جاہل بن جاہل ہے۔"

حضرت عبداللہؓ نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں عرض کی۔ "یارسول اللہ آپ نے یہود کی اخلاقی پستی دیکھ لی۔ مجھے ان سے اسی افترا پردازی کا اندیشہ تھا۔" غرض عبداللہؓ بن سلام کا اسلام یہودیوں کے لیے اتمام حجت کی حیثیت رکھتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے قبول اسلام کے بعد عیسائیوں کے ایک بہت بڑے راہب حضرت صرمہؓ بن ابی انس بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ وہ بڑے قادر الکلام شاعر اور الٰہیات کے عالم تھے۔ قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے اور قبول اسلام کے وقت ان کی عمر سو سال سے اوپر تھی۔

(۵)

مسجد نبوی کی تعمیر | خانۂ ابو ایوبؓ میں رونق افروز ہونے کے چند دن بعد

سرورِ کونینؐ نے مدینہ منورہ میں خانۂ خدا بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اس مقصد کے لیے حضورؐ نے حضرت ابو ایوبؓ کے گھر کے سامنے اس افتادہ قطعۂ زمین کو منتخب فرمایا جہاں آپ کی اونٹنی آکر بیٹھی تھی۔ اس زمین میں کچھ قبریں اور کھجور کے درخت تھے۔ انصار اس سے مربد (کھجوریں خشک کرکے چھوہارے بنانے کی جگہ) کا کام لیتے تھے۔ رسولِ کریمؐ کی تشریف آوری سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ انصاریؓ اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ اِسی جگہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس زمین کے مالک بنو نجار کے دو یتیم بچے سہلؓ اور سہیلؓ تھے جو حضرت اسعد بن زرارہؓ (اور ایک روایت کے مطابق حضرت معاذ بن عفراءؓ) کی سرپرستی میں تھے۔ ہادیِ اکرمؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا۔

"میں یہ زمین قیمت دے کر لینا چاہتا ہوں تاکہ اس میں خانۂ خدا کی تعمیر کرسکوں"۔

انصارؓ نے عرض کی۔ "یارسول اللہ اس زمین کے مالکوں کو ہم قیمت ادا کردیں گے اور اسے اپنی طرف سے آپ کے لیے ہبہ کرتے ہیں۔ اس کا صلہ ہم اللہ سے لیں گے"۔

حضورؐ نے انصارؓ کے جذبۂ ایثار کی تعریف فرمائی لیکن زمین کی قیمت دینے پر اصرار فرمایا۔ اور مالکانِ زمین سہلؓ و سہیلؓ کو طلب فرمایا۔ دونوں سعادت مند بچوں نے عرض کی۔ "یارسول اللہ ہم یہ زمین حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آپ کی نذر کرتے ہیں"۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے میں یہ زمین بلا قیمت نہیں لونگا"۔

ان بچوں کی والدہ کو معلوم ہوا تو اس نیک بخت خاتون نے بھی قیمت لینے سے انکار کیا۔

آخر سرورِ عالمؐ نے اصحاب الرائے کے مشورہ سے اس زمین کی قیمت دس

مثقال (پونے چار تولے) سونا متعین فرمائی۔ یہ قیمت حضورؐ کی طرف سے کس نے ادا کی اس کے متعلق تین روایتیں ہیں۔

۱۔ اس زمین کی قیمت حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ادا کی (فتح الباری)

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی۔ (مدارج)

۳۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اس زمین کے معاوضہ میں سہلؓ و سہیلؓ کو بنو بیاضہ میں اپنا ایک باغ دے دیا۔ (زرقانی)

اس کے بعد زمین ہموار کر کے مسجد کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ اس کے معماروں اور مزدوروں میں صحابہ کرامؓ (انصارؓ و مہاجرین) کے ساتھ محبوب کبریا خیر البشرؐ بھی بہ نفس نفیس شامل تھے۔ سرورِ کونین مزدوروں کے لباس میں پتھر اور گارا ڈھو کر لاتے اور زبانِ مبارک سے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَاخَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَة

الٰہی کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما[1]

صحابہ کرامؓ بصد تضرع شہ دوسراؐ سے التجائیں کرتے تھے کہ حضورؐ ہم غلامون

---

[1] بعض دوسری روایتوں میں یہ شعر اس طرح درج ہے

اللّٰهم ان الاجر الا اجر الآخرة

الٰہی اجر تو بس آخرت کا اجر ہے

کے ہوتے ہوئے آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ لیکن حضورؐ متبسم ہو کر برابر کام کئے جاتے تھے۔ رحمتِ دو عالمؐ کو پسینے میں شرابور اور گرد و غبار میں اٹا ہوا دیکھ کر صحابۂ کرامؓ کے دلوں پر چھریاں چل جاتی تھیں لیکن مجبور تھے۔ حضورؐ کو تعمیرِ مسجد میں اس طرح منہمک دیکھ کر وہ دو چند جوش سے یہ رجز پڑھتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ کام میں شریک ہو جاتے۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِیُّ یَعْمَلُ

(اگر ہم بیٹھ جائیں اور نبی اکرمؐ کام کرتے رہیں)

لَذَاکَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلَّلُ

(تو یہ سخت گمراہی کی حرکت ہو گی)

غرض اس طرح چند ماہ میں دنیا کی یہ مقدس ترین مسجد تعمیر ہو گئی۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے خالی اور انتہائی سادگی کا مظہر تھی۔

کچی اینٹوں اور ناتراشیدہ پتھروں کی دیواریں۔ چوبِ خرما کے ستون اور کھجور کے پتوں کا چھپر۔ لیکن اس کو جن مقدس ہاتھوں نے تعمیر کیا اور جن کے سجدوں سے یہ

فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَهْ

خدایا آخرت کے عیش و آرام کے سوا کوئی عیش نہیں

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے

معمور ہوئی ان کی عظمتوں کے سامنے فلک الافلاک کی رفعتیں ہیچ ہیں۔
مسجد کے ایک سرے پر اصحاب صفہ کے لیے ایک مسقف چبوترہ بھی تعمیر کیا گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا کوئی گھربار نہ تھا اور جو عائلی زندگی کی بندشوں سے آزاد تھے۔
مسجد کے متصل حضورؐ نے ازواج مطہراتؓ کے لیے کچی اینٹوں کے دو حجرے بھی تعمیر کرائے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد اس وقت تک ام المومنین حضرت سودہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ہی حضورؐ کے عقد نکاح میں آئی تھیں۔ جب تک مسجد اور حجرے زیر تعمیر رہے سرور کونینؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر رونق افروز رہے۔ اس کے بعد آپ وہاں سے ان حجروں میں منتقل ہو گئے۔ دوسری ازواج مطہرات جوں جوں حضورؐ کے نکاح میں آئیں ان حجروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ شہنشاہِ عرب و عجم کے یہ ذاتی مکانات تقریباً سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چار کچی اینٹوں سے اور پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ ان کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ آدمی کھڑا ہوتا تو اس کا سر چھت سے جالگتا۔ دروازوں پر کمبل کے پردے پڑے رہتے۔ حضورؐ کے ابتدائی زمانے سے انتہائی عروج و اقتدار کے زمانہ تک ان حجروں کی سادگی کی یہی کیفیت رہی۔ اور کیوں نہ رہتی یہ کسی دنیاوی بادشاہ کے محلات نہیں تھے بلکہ اس ذات اقدسؐ کے مکانات تھے جو اس دنیا میں محسن انسانیت اور رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانی نے مسجد نبوی کی تعمیر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام — تعمیر سجدہ گاہِ خدائے انام تھا
ایک قطعۂ زمین تھا کہ اس کام کے لیے — واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا

وہ قطعۂ زمین تھا یتیموں کی مِلکِ خاص — ہر چند قبر گاہ و گذر گاہ عام تھا
چاہا حضورؐ نے کہ بہ قیمت خرید لیں — ان کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا
ایتام نے حضور میں آکر یہ عرض کی — یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا
یہ ہدیۂ حقیر پذیرا کریں حضورؐ — اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا
لیکن حضورؐ نے نہ گوارا کیا اسے — منت کشی سے آپؐ کو پرہیز تام تھا
احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا — بالکل خلافِ طبعِ رسولِ انام تھا
بارہ ہزار سکّۂ رائج عطا کیے — یہ تھا وہ خُلق جس سے مخالف بھی رام تھا
سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لیے — اب ان کی فکر مشغلہ صبح و شام تھا
مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی — از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا
انصارِ پاکؓ اور مہاجر تھے جس قدر — مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک روز نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک — جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت — سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریکِ حال — یہ خود وجودِ پاکِ رسولِ امام تھا
جو وجہِ آفرینشِ افلاک و عرش ہے — جس کا جبرئیلؑ بھی ادنیٰ غلام تھا
صلوا علی النبی و اصحابہ الکرام — اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام تھا

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا کاشانۂ اقدس تقریباً سات ماہ تک سرورِ کونینؐ کے انوارِ رسالت سے جگمگاتا رہا۔ اس میزبان کی خوش بختی اور سعادت کے کیا کہنے کہ ارض و سما کی برگزیدہ اور مقدس ترین ہستیؐ نے جس کے گھر کو کئی مہینے تک رشکِ طور بنائے رکھا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۶)

خاندان ابو ایوبؓ کا ایک اور شرف

یوں تو حضرت ابو ایوبؓ کے خاندان بنو نجار کو ہادیٔ اکرمؐ انصار کا بہترین خاندان جانتے تھے[1] اور اسی خاندان کے ایک فرد کو حضورؐ نے اپنی میزبانی کا شرفِ عظیم بخشا لیکن مسجد کی تعمیر کے دوران میں سرورِ عالمؐ نے بنو نجار کو ایک ایسا لازوال شرف عطا کیا جس نے انھیں بجا طور پر

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کا مصداق بنا دیا۔ یہ شرفِ عظیم رحمۃ للعالمین کا خود بنو نجار کا نقیب بننا تھا وہ اس طرح کہ ان دنوں بنو نجار کے نقیب حضرت اسعدؓ بن زرارہ انصاری نے وفات پائی تو بنو نجار کے لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتجی ہوئے کہ اسعد کی جگہ کسی اور کو نقیب مقرر فرمایا جائے۔ سرورِ کونینؐ نے فرمایا:-

"تم لوگ میرے ماموں ہو۔ اس لیے اب بنو نجار کا نقیب میں خود ہوں۔"

یہ سن کر بنو نجار کے لوگ وفورِ مسرت سے بیخود ہو گئے اور اس سعادتِ عظیم کو ہمیشہ کے لیے انہوں نے اپنا سرمایۂ افتخار بنا لیا۔

(۷)

حضرت ابو ایوبؓ کے حق میں دعائے حفظ

ہجرت کے بعد مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں نے فرزندانِ توحید کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ حضورؐ کو ان کی سازشوں

---

[1] رسول کریمؐ کا ارشاد ہے کہ انصار کے بہترین گھرانے بنو نجار کے ہیں اور ان کے

کا علم ہوا تو آپ نے صحابۂ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ رات کو ہتھیار باندھ کر سو کریں اور کچھ آدمی جاگ کر پہرہ دیا کریں تاکہ قریش مکہ اور دوسرے دشمنوں کے ناگہانی حملہ کا تدارک کیا جا سکے۔ ایک موقعہ پر حضرت ابو ایوبؓ نے رات بھر پہرہ دیا۔ سرور عالمؐ نے ان کے حق میں دعا مانگی۔ "اے ابو ایوب خدا تمہیں اپنے حفظ و امن میں رکھے کہ تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی۔" یہ حضورؐ کی دعا ہی کا اثر تھا کہ حضرت ابو ایوبؓ زندگی بھر مصائب و آلام سے محفوظ رہے اور وفات کے بعد بھی صدیوں تک نصاریٰ ان کی قبر کی حفاظت اور نگرانی کرتے رہے حتیٰ کہ قسطنطنیہ جہاں حضرت ابو ایوبؓ کی قبر ہے مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ آج بھی ترکی کی حکومت ان کی قبر کی نگران ہے۔

بعد عبد الاشہل کے گھرانے ہیں۔

اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

(۱)

مؤاخاۃ

"مؤاخاۃ" تاریخ اسلام کا ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے۔ جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ "مؤاخاۃ" کے بعد چشم فلک نے ایثار اور اخلاص کے ایسے تحیّر خیز مناظر دیکھے۔ جو اس سے قبل انسانیت کی ساری تاریخ میں عدیم المثال تھے۔

مہاجرین کرامؓ سالہا سال زہرہ گداز مصائب نوائب جھیلنے کے بعد اپنے اہل وعیال۔ گھربار اور مال وجائداد چھوڑ کر جب مدینہ پہنچے تو ان کے پاس خدا کے نام کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن انصار مدینہ نے جس محبت اور خلوص سے ان غریب الوطنوں کی مہمانداری کی۔ اس کے ذکرِ جمیل سے تاریخ اسلام کے اوراق ہمیشہ مزیّن رہیں گے۔

انصار فطرتاً بڑے شریف، سادہ، بامروت اور وسیع القلب لوگ تھے۔ لیکن ان کے صدیوں پرانے باہمی نفاق وعداوت نے ان کے خصائل شریفہ کو قریب قریب غارت کر دیا تھا۔ اسلام کا ظہور انصار کے لیے حقیقی معنوں میں رحمتِ

کامل ثابت ہوا ورنہ کچھ مدت اور یہی حالت رہتی تو اوس و خزرج اس طرح صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے کہ آج ان کا نام جاننے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ اسلام نے سب سے پہلے انصار کے باہمی نفاق کو ختم کیا اور جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کو دین کے مستحکم رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح انصار کو ہولناک تباہی سے بچا لیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

(پ۴ آل عمران)

"اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ مت پیدا کرو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں (باہمی) الفت پیدا کر دی۔ سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ حالانکہ تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

حق تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا انصارؓ نے کما حقہٗ شکر ادا کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کو راہِ حق میں وقف کر دیا۔ اور اپنے ایثار خلوص

اور فداکاریوں کے ایسے انمٹ نقوش صفحاتِ تاریخ پر ثبت کر دیئے کہ تاریخ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہجرت کے بعد ابتدائی پانچ مہینوں میں انصارؓ کے گھر مہاجرین کے لیے مہمان خانۂ عام تھے۔ لیکن یہ ایک بے ترتیب سی زندگی تھی اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی پرورش اور کفالت کے لیے ایک سہل مگر مستقل اور منظم طریق کار کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ ہجرت کے پانچ ماہ بعد آپؐ نے حضرت انسؓ بن مالک[1] کے وسیع مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع کیا۔ حاضرین کی تعداد

---

[1] خادمِ رسول اللہ ابوحمزہ انسؓ بن مالک بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ جس عظیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے حضرت انسؓ بھی اسی خاندان یعنی بنونجار کے ایک فرزندِ جلیل تھے۔ ہجرتِ نبوی سے دس سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آٹھ یا نو سال کی عمر میں دینِ حق قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجلس مواخاۃ انھیں کے مکان میں منعقد ہوئی۔ اس وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ ان کے باپ حضرت ابوطلحہؓ نے حضرت انسؓ کو سرورِ کائنات کی غلامی میں دے دیا تھا۔ چنانچہ حضرت انس کو دس برس تک خلوت و جلوت میں سرورِ عالمؐ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا یہ خدمت ایسی والہانہ تھی کہ لوگ انھیں خاندان نبوت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ حضرت انسؓ تمام اہم غزوات نبوی میں شریک ہوئے۔ صدیقِ اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انھیں بحرین کا عامل مقرر کیا۔ فاروق اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں دوسرے اصحاب کے ساتھ فقہ کی تعلیم کے لیے بصرہ

ایک روایت کے مطابق سو ۱۰۰ اور دوسری روایت کے مطابق نوّے ۹۰ تھی۔ ان میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ سرورِ عالمؐ نے مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "یہ تمہارے بھائی ہیں۔"

اس کے بعد آپؐ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلاتے اور فرماتے۔ "آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہو۔" (ایک دوسری روایت کے مطابق حضورؐ بیک وقت چار آدمیوں کو بلاتے ان میں سے دو مہاجر ہوتے اور دو انصار)

اس مبارک مجلس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ ان کا رشتۂ مواخاۃ مدینہ میں اسلام کے معلّمِ اوّل حضرت مصعبؓ بن عمیر سے قائم کیا گیا۔ سرورِ کونینؐ نے اپنا رشتۂ مواخاۃ اپنے مہاجر بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ

روانہ کیا۔ حضرت انسؓ نے بصرہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسی شہر میں ۹۳ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا اس وقت ان کی عمر ۱۰۳ برس کے قریب تھی۔ حضرت انسؓ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر مال اور اولاد سے نوازا تھا۔ وفات کے وقت ان کے ۱۰۰ سے زائد بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں زندہ تھے۔ نہایت خوبصورت خوش لباس اور خوش خوراک تھے۔ بے حد شجاع نڈر حق گو اور بے باک ہونے کے ساتھ منکسر المزاج بھی تھے۔ علمِ حدیث اور فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ان سے ۱۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔

وفات کے وقت ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی تھی ان میں سے خواجہ حسن بصریؒ، قتادہؒ، محمد بن سیرینؒ، ربیعۃ الرائےؒ اور سعید بن جبیرؒ آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے۔

سے قائم کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے اسی طرح اپنے عم محترم حضرت حمزہؓ کا رشتہ مواخاۃ ان کے مہاجر بھائی حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ قائم کیا۔[1] البتہ دوسرے تمام مہاجرین کو انصار کے ساتھ رشتۂ مواخاۃ میں منسلک فرمایا۔ جن بزرگوں میں رشتۂ مواخاۃ قائم ہوا ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مہاجرینؓ	انصارؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ	حضرت خارجہؓ بن زید (عقبی بدری)
حضرت عمر فاروقؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک (بدری)
حضرت عثمان ذوالنورینؓ	حضرت اوس بن ثابتؓ (بدری)
حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	حضرت معاذ بن جبلؓ (عقبی بدری)
حضرت سلمان فارسیؓ	حکیم الامت حضرت ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہؓ
حضرت بلال حبشیؓ	حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمن خثعمیؓ
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذر بن عمروؓ
حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ	حضرت سعد بن معاذ بدریؓ
حضرت زبیر بن العوامؓ	حضرت سلمہؓ بن سلامۃ (بن وقش) (عقبی)

[1] امام ابن تیمیہ اور ابن القیم کا مؤقف یہ ہے کہ مواخاۃ میں کسی مہاجر کو مہاجر کا بھائی نہیں بنایا گیا۔ اس لیے ایسی روایات ان کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن دوسرے مورخین ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں۔

مہاجرینؓ	انصارؓ
حضرت سعید بن زیدؓ	حضرت ابی بن کعب عقبی بدریؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	حضرت سعد بن ربیع عقبی بدریؓ
حضرت عمار بن یاسرؓ	حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ	حضرت کعبؓ بن مالک عقبیؓ
حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عباد بن بشر بن وقشؓ
حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	حضرت عویم بن ساعدہؓ
حضرت مصعبؓ بن عمیر	حضرت ابو ایوب انصاریؓ (عقبی بدری)

(۲)

رشتۂ مؤاخاۃ کی حکمت

رشتۂ مؤاخاۃ کا قیام محض ایک ہنگامی ضرورت کے تابع نہ تھا۔ بلکہ اس کے اندر خاص حکمت اور مصلحت تھی۔ ایک تو یہ کہ مہاجرین کے دل سے غریب الوطنی کا احساس جاتا رہے۔ دوسرے یہ کہ مہاجرین جو ابتلاء و مصائب کی بھٹی میں پڑکر کندن بن چکے تھے اور جن کی تربیت و اصلاح سرورِ عالمؐ نے خود فرمائی تھی۔ اپنے نومسلم انصار بھائیوں کی تربیت کر سکیں۔ تاکہ وہ بھی ہادیٔ کرمؐ کے حقیقی معنوں میں مزاج شناس بن جائیں۔ چنانچہ رشتۂ مواخاۃ قائم کرتے وقت حضورؐ نے دونوں بھائیوں کے مزاج اور رجحان طبع کا خاص خیال رکھا۔ یہ شانِ نبوّت ہی کا کمال تھا کہ حضورؐ نے نہایت قلیل عرصہ میں مہاجرین اور انصار

کی کثیر تعداد کی استعداد کا کامل اندازہ کر لیا تھا۔ چند مواخاتی بھائیوں کے اوصاف ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ

اپنے خاندان میں نہایت آسودہ حال رئیس تھے۔ انصار کے سابقون اوّلون میں تھے۔ قبول اسلام کے بعد اپنے خاندان کے معلم بن گئے۔ ہادئ اکرمؐ کی میزبانی کی سعادت عظمیٰ حاصل کی اور راہِ حق میں کسی موقع پر بھی اپنی جان و مال پیش کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ ان کے مواخاتی بھائی حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی قریش کے ایک آسودہ حال خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ مہاجرین کے سابقون اوّلون میں تھے۔ سرورِ کونین نے انھیں مدینہ میں اسلام کا معلم اوّل مقرر فرمایا تھا۔ رحمتِ عالمؐ کے عاشق زار تھے۔ غزوۂ بدر اور احد میں نہایت جوش سے شریک ہوئے اور مؤخرالذکر غزوہ میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

امین الامۃ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح

آپکے اسمِ گرامی اور رتبۂ عظیم سے ایک دنیا واقف ہے۔ راہِ حق میں پدری اور فرزندی کا خونی رشتہ بھی ان کی نگاہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں انہوں نے اپنے کافر باپ کی گردن اڑا دی تھی۔ ان کے مواخاتی بھائی حضرت سعدؓ بن معاذ "اوس" کے سردار تھے اور یہود بنو قریظہ کے حلیف تھے لیکن جب بنو قریظہ نے فرزندانِ اسلام سے غداری کی تو حضرت سعدؓ بن معاذ نے بلا تامل ان کی گردنیں اڑا دینے کا مشورہ دیا حالانکہ عرب میں حلیفوں کا رشتہ خونی رشتوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

حضرت ابو حذیفہؓ

قریش کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے۔ اسی نسبت سے ان کو حضرت عباد بن بشیر کا بھائی بنایا گیا جو بنو عبدالاشہل کے رئیس تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

اپنے جوش ایمان اور فداکاریوں کی بدولت مہاجرین میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کو تجارت سے دلچسپی تھی۔ ایک وقت آیا کہ ان کا سامان تجارت سات سات سو اونٹوں پر مدینہ منورہ پہنچتا تھا۔ ان کے مواخاتی بھائی سعدؓ بن ربیع بھی دین حق کے ایک جان نثار سپاہی تھے اور نہ صرف دولت ایثار و اخلاص سے مالا مال تھے بلکہ تجارت کی بدولت دنیوی تموّل میں بھی بڑے اونچے درجے پر تھے۔ علی ہٰذالقیاس تمام مواخاتی بھائی کسی نہ کسی حد تک ہم مذاق و ہم مشرب تھے۔

انصار کا فقید المثال ایثار و اخلاص

(۳) مواخاۃ سے پہلے بھی انصار نے مہاجرین کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کر رکھے تھے لیکن مواخاۃ کے بعد تو انہوں نے اپنے مواخاتی بھائیوں سے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر سلوک کیا۔ انصار کے بے مثل ایثار اور اخلاص کو دیکھ کر ہفت افلاک کی عظمتیں ان پر نثار ہو ہو گئیں اور کائنات ارضی و سماوی کے ذرّے ذرّے نے ان پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔

عقد مواخاۃ کے بعد انصار اپنے مواخاتی بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور تمام مال و متاع اور جائداد غرض گھر کی ایک ایک چیز شمار کر کے آدھی آدھی ان کو دے دی۔ اس ملکوتی جذبہ کی انتہا یہ تھی کہ حضرت سعدؓ بن ربیع مال و جائداد کی تقسیم سے فارغ ہو چکے تو اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

سے کہا۔ "بھائی میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک آپ پسند کرلیں میں اسے طلاق دے دونگا۔ آپ اس سے نکاح کر لیجیئے۔" حضرت عبدالرحمٰنؓ نے صدقِ دل سے حضرت سعدؓ بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور ان کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "بھائی خدا آپ کے مال و دولت اور اہل و عیال میں برکت دے مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کاروبار تجارت کے لیے مجھے بازار تک پہنچا دو۔"

حضرت سعدؓ بن ربیع نے نہایت خوشدلی سے کاروبار تجارت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کی رہنمائی اور مدد کی۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ بھی اپنی ہمت اور دیانت کی بدولت حضرت سعدؓ بن ربیع کی طرح امیرالامراء بن گئے۔

انصار نے اپنے نصف نخلستان اور زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو پیش کیں تو انہوں نے فنِ باغبانی و زراعت سے ناآشنا ہونے کے باعث ان کے لینے میں عذر کیا۔ انصار کا جوشِ ایثار ملاحظہ ہو انہوں نے کہا کہ یہ نخلستان اور زمینیں ہم آپ کو ضرور دیں گے۔ ان میں کھیتی باڑی ہم خود کرلیں گے اور پیداوار کا نصف حصہ آپ کو دے دیا کریں گے۔ مہاجرین نے احسان مندی کے ساتھ اپنے انصار بھائیوں کی اس پیشکش کو قبول کرلیا۔ جنگِ خیبر تک مہاجرین ان نخلستانوں سے متمتع ہوتے رہے۔ فتح خیبر کے بعد یہ نخلستان انہوں نے شکریہ کے ساتھ انصار کو واپس کر دیئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مواخاتی رشتہ سگے بھائیوں جیسا رشتہ بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی انصاری سفرِ آخرت اختیار کرتا تو اس کا مہاجر بھائی اس کے ترکہ کا وارث ہوتا اور مرحوم کے قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد

مہاجرین کی مالی حالت درست ہوگئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (انفال) قرابت والے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

چنانچہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل میں انصار و مہاجرین کا باہمی توارث منسوخ کر دیا گیا۔ اور صرف خویش و اقارب ہی میں میراث کا قاعدہ جاری ہوگیا۔ انصار نے اپنا ایثار و اخلاص اپنے مواخاتی بھائیوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ ہر ضرورت کے موقع پر انہوں نے راہ حق میں اپنی استطاعت سے بڑھ کر قربانیاں پیش کیں۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ نے اپنے کئی مکانات سرور کائناتؐ کی نذر کر دیئے تھے اسی طرح اصحاب صفہؓ کی کفالت انصار نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ جہاد کا موقع آتا تھا تو اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اسلام کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ غرض انصار کے جذبۂ ایثار اور جوش جہاد کے واقعات قیامت تک شمس و قمر کی طرح روشن رہیں گے۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت ابوایوبؓ کے مواخاتی بھائی

حضرت مصعبؓ بن عمیر

(۱)

پاکباز نوجوان

عمیر بن ہاشم کے فرزند مصعبؓ ایک جوان رعنا تھے۔ مکہ میں
ان جیسا خوبرو اور خوش پوش نوجوان کوئی نہیں تھا۔ والدین
کو اللہ تعالیٰ نے تمول اور آسودہ حالی کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے اپنے
فرزند کو بڑے ناز و نعم سے پالا۔ مصعبؓ اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمی جوڑے پہنتے اور
عمدہ سے عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے۔ ان کے ایک جوڑے کی قیمت دو دو سو
درہم تک ہوتی تھی جو اس زمانے میں ایک خطیر رقم متصور ہوتی تھی۔ ان کے پاؤں
میں زری حضرمی جوتا ہوتا تھا۔ جسے غریب یا متوسط طبقے کا کوئی فرد خریدنے کا

تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ اس جوانِ رعنا کی صورت اور پوشاک ہی عمدہ نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اس کی سیرت اور اخلاق بھی نہایت پاکیزہ تھے۔

جب سرورِ کائنات ؐ نے دعوتِ حق کا آغاز کیا تو مصعبؓ کے پاک و صاف دل اور دماغ نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ پرستارانِ حق ان دنوں بڑے پر صعوبت دور سے گزر رہے تھے۔ مشرکین نے اپنے ظلم و ستم سے توحید کے شیدائیوں کے لیے مکہ کی سرزمین تنگ کر دی تھی۔ حضورؐ اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے۔ ان مصیبت انگیز دنوں میں ہی حضرت مصعبؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے حضورؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ شروع شروع میں انہوں نے اپنا اسلام گھر والوں سے پوشیدہ رکھا۔ اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنی مشفق ماں کو جو ان سے والہانہ محبت کرتی تھی آزردہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ اپنی ماں کی شفقت اور مامتا کی بدولت اس سے اتنی مالی مدد حاصل کر لیتے تھے۔ جس سے وہ اپنے مظلوم دینی بھائیوں کی دستگیری کر سکتے تھے۔ لیکن عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ ایک دن عثمان بن طلحہؓ (کلید بردارِ کعبہ نے) نے انہیں ربِ واحد کی عبادت کرتے دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً ان کے والدین کو اطلاع دی۔ وہ غم و غصہ سے دیوانے ہو گئے۔ بیٹے سے ان کی بے پناہ محبت بے پناہ نفرت میں تبدیل ہو گئی اور انہوں نے مصعبؓ کو باندھ کر قیدِ تنہائی میں ڈال دیا۔ دینِ حق سے منہ موڑ کر وہ پھر والدین کی محبتوں اور شفقتوں کا مرجع بن سکتے تھے لیکن بادۂ توحید نے انہیں کچھ ایسا مست کر دیا تھا کہ عیش و راحت سے محرومی اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت

کرلیں لیکن دینِ حق سے منہ موڑنا گوارا نہ کیا۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ادھر کفار کا معاملہ بھی مسلمانوں سے شدید تر ہوتا گیا حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت مصعبؓ ایک دن موقع پاکر گھر سے بھاگ نکلے! اور جو لوگ حبش جا رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے ایک مدت تک غریب الوطنی کی پر صعوبت زندگی بسر کی پھر واپس مکہ تشریف لے آئے اور اپنے آقا و مولاؐ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہجرت کے مصائب نے ان کی رعنائی اور خوش پوشی کو خواب خیال بنا دیا تھا۔ بوسیدہ اور موٹے جھوٹے کپڑے جن میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان کے زیب بدن تھے۔ جسم کی نرم و نازک کھال موٹی اور کھردری ہو گئی تھی چہرہ اتر گیا تھا۔ رنگ برگِ خزاں رسیدہ کی طرح پیلا پڑ گیا تھا لیکن سینے میں وہی قلب مومن دھڑک رہا تھا جس نے اپنے آقا کی خدمت اور زہد و فقر کی زندگی کو عیش و تنعم کی ہزار رنگینیوں پر ترجیح دی تھی۔ ایک دن حضرت مصعبؓ دربارِ رسالت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ ان کے پاس ستر پوشی کے لیے صرف ایک بوسیدہ چادر تھی۔ جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اور ایک جگہ اس پر کھال کا پیوند لگا ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکا لیں۔ سرورِ کونینؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا

"میں نے جب اس نوجوان کو دیکھا تھا تو اس وقت مکہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ نازو نعمت کا پروردہ اور خوشحال نہیں تھا لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت پر اس نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا ہے۔"

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے حضورؐ کی صحبتِ اطہر سے خوب خوب فیض اٹھایا

اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک عالم دین اور فقیہ سمجھے جانے لگے۔ ان دنوں انصارِ مدینہ کے ایک طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ان کے پاس ایک ایسا شخص بھیجا جائے جو ان کو قرآن کی تعلیم دے سکے اور دین کو اچھی طرح سمجھا سکے۔ سرورِ کائناتؐ کی نگاہِ انتخاب اس کام کے لیے حضرت مصعبؓ بن عمیر پر پڑی اور یوں وہ اسلام کے پہلے داعی بن کر مدینہ تشریف لے گئے۔

(۲)

الوداع اے ارضِ مکہ الوداع

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نہایت احسن طریقہ سے نبایا۔ وہ علم کے بحرِ ذخار اور حلم و انکسار میں یکتا تھے۔ ان کی شیریں مقالی اور بلند اخلاقی نے چپکے چپکے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ مدینہ میں ان کا معمول تھا کہ ادھر ادھر آتے جاتے وقت کندھے پر کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اٹکا لیتے تھے جو آگے کی طرف سے کیکر کے کانٹوں سے اٹکا ہوتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ لوگوں کی توجہ اور التفات کا مرکز بن گئے۔ اور انصارِ مدینہ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اگلے سال ۱۳ سنہ نبوت میں دینِ حق کا یہ کامیاب داعی تہتر مردوں اور دو عورتوں کو ساتھ لے کر حج کے موقع پر مکہ پہنچا۔ حضرت مصعبؓ کو نہ اپنا گھر یاد آیا اور نہ والدین۔ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچے اور اپنے قیامِ مدینہ کے تمام حالات و واقعات کی تفصیل سنائی حضورؐ سن کر بہت مسرور ہوئے۔ حضرت مصعبؓ کے پاک نفس ہمراہی ان کی تبلیغ سے اتنے متاثر تھے کہ وہ جلد از جلد حضورؐ کے شربتِ دیدار سے اپنی پیاس بجھانا چاہتے تھے

تھے لیکن سارا مکہ علمبرداران حق کا جانی دشمن بنا ہوا تھا۔ احتیاط لازم تھی۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت عقبہ ثانیہ سے مشرف ہوئے۔

حضرت مصعبؓ کی ماں کو جب بیٹے کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے انھیں بلا بھیجا جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے انھیں بجد لعنت ملامت کی اور رو رو کر ان سے کہا کہ اس نئے دین کو چھوڑ دو تیرے لیے میری آغوش محبت وا ہونے کو بیقرار ہے۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا " ماں میں نے خدا کے پسندیدہ دین کو برضا و رغبت قبول کیا ہے اسے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔"

اب ماں دھمکیوں پر اتر آئی اور کہا کہ تمہارا علاج وہی ہے جو تمہارے حبش جانے سے پہلے کیا گیا تھا۔ حضرت مصعبؓ نے بھی اب تیور بدلے۔ بولے:۔
"ماں کیا تو مجھے زبردستی میرے دین سے پھیر سکتی ہے۔ یاد رکھ اگر اب کسی نے مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تو میں اسے قتل کر دونگا۔"

اب ان کی ماں بے بس ہو کر بے تحاشا رونے لگی۔ حضرت مصعبؓ نے اسے نہایت نرمی سے سمجھایا۔ " ماں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آؤ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔"

لیکن کفر و شرک ماں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس نے کہا۔ " کواکب درخشندہ کی قسم میں ہرگز تیرا دین قبول نہ کروں گی ___ جا میری آنکھوں سے دور ہو جا۔"

حضرت مصعب بن عمیرؓ نبی اکرمؐ کی خدمت میں واپس آ گئے اور تین ماہ حضورؐ کی رفاقت ہی میں بسر کئے۔ سرور کائناتؐ کی ہجرت، مدینہ سے بارہ دن پیشتر آپ نے مستقل طور پر مدینہ کی راہ لی۔

شہادت

سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر میں آپ بھی تین سو تیرہ نفوسِ قدسی میں شامل تھے۔ جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ نہایت جانبازی سے لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے کفّار کو شکست دی۔

سنہ ۳ ہجری میں جنگِ احد میں بھی حضورؐ نے علمبرداری کا شرف انھیں عطا کیا۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور رسول اللہؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی تو اس وقت مسلمانوں کے تین گروہ ہو گئے۔

ایک گروہ نے کہا۔ "رسول اللہؐ کے بعد لڑنے سے کیا حاصل؟" اور یہ کہہ کر مدینہ کی طرف چل دیا۔

دوسرے گروہ نے کہا۔ "حضورؐ کے بعد جینے سے کیا حاصل؟" اور یہ کہہ کر حصولِ شہادت کی خاطر مردانہ وار لشکرِ کفّار میں گھس گیا۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو حضورؐ کے ارد گرد حصار بنا کر ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ صرف چودہ نفوس پر مشتمل تھا۔

اُن ثابت قدم مجاہدین میں جنہوں نے رسول اللہؐ کی شہادت کی خبر سنی تھی حضرتؓ مصعبؓ بن عمیر بھی تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا۔

"میں رسول اللہ کا علم سرنگوں نہیں ہونے دونگا"

یہ کہہ کر ایک ہاتھ میں شمشیر برہنہ اور دوسرے میں علم لئے کفار پر ٹوٹ پڑے۔ اس حالت میں مشرکین کے مشہور شہسوار ابن قمیہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور ان کا

داہنا ہاتھ شہید کر ڈالا۔ حضرت مصعبؓ نے فوراً بائیں ہاتھ میں علم تھام لیا۔ ابن قمیہ نے دوسرا ہاتھ بھی شہید کر دیا۔ آپ نے کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علم کو سینے سے چمٹا لیا گویا تہیہ کئے ہوئے تھے کہ جب تک سانس میں سانس ہے علم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیں گے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی۔

وَمَا محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل (آل عمران)

ترجمہ: "اور محمد صرف اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں"

اس آیت کے پڑھنے سے ان کا مقصد بد دل مسلمانوں کے حوصلے بندھانا تھا۔ جو یہ سنکر جی ہار بیٹھے تھے کہ رسول اللہ شہید ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ کو بھی رسول اللہ کی شہادت کا یقین ہو گیا تھا۔ لیکن ان کا علمِ دین صحبتِ نبوی کے فیض سے بہت وسیع ہو گیا تھا اسی لیے بے اختیار ان کی زبان پہ مذکورہ آیت مبارکہ جاری ہو گئی کہ لوگو اگر محمد رسول اللہ فوت ہو گئے تو ان سے پہلے بھی تو رسول فوت ہوتے رہے ہیں۔ تم اپنے اللہ کے لیے لڑو۔

بدبخت ابن قمیہ نے اب جھنجھلا کر ان پر نیزے کا ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی انی ٹوٹ کر مصعبؓ کے علم و عشق سے معمور مقدس سینہ میں رہ گئی۔ اور وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ گرتے وقت ان کے بھائی ابو الروم بن عمیرؓ نے علم سنبھال لیا اور لڑائی ختم ہونے تک علم اسلام کو تھامے ہوئے حقِ شجاعت ادا کرتے رہے۔ جنگ کے بعد اس علم کو سرنگوں کئے بغیر مدینہ لائے۔

جب قریش میدان جنگ سے واپس چلے گئے اور مسلمان اپنے شہداء کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ مکہ کے جوانِ رعنا مصعبؓ

بن عمیر چہرہ کے بل گرے ہوئے خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ حضور نے جب ان کی لاش دیکھی تو یہ آیت تلاوت فرمائی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ

"مومنین میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ بعض ان میں اپنی مدت پوری کر چکے اور بعض ابھی انتظار کر رہے ہیں۔"

پھر فرمایا :۔

"میں نے مکہ میں تمہارے جیسا حسین اور خوش لباس اور کوئی نہ دیکھا تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ بلاشبہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہیدوں میں ہو گے۔"

پھر ان کی تکفین کا حکم دیا۔ لیکن حضرت مصعبؓ کی چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اس سے سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں مستور کئے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا۔ بالآخر حضور نے فرمایا کہ سر چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں کو اذخر گھاس سے چھپا کر اس شہید حق کو سپرد خاک کر دو۔ صحابہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور یوں وہ پیکر صدق و صفا دنیا کے ظاہر بین کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔

تین سو تیرہ میں سے ایک

(۱)

راہِ حق کے تین سو تیرہ سرفروش

حضرت ابوایوب انصاریؓ ان تین سو تیرہ نفوسِ قدسی میں سے ایک ہیں جو ہجرت کے بعد کفر و اسلام کے معرکۂ اوّل "جنگِ بدر" میں اپنی بے سروسامانی کے باوجود محض اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ "اصحابِ بدرؓ" کی تعداد کی نسبت اربابِ سیر میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ تعداد ۳۰۶ اور بعض کے نزدیک ۳۱۴ یا ۳۱۷ تھی۔ لیکن اکثریت کے نزدیک "اصحاب بدر" تین سو تیرہ نفوس قدسی پر مشتمل تھے۔ جن میں سے ۳۰۵ میدانِ رزم میں شریک تھے اور آٹھ نے رسول اکرمؐ کے ارشاد کی تعمیل میں میدانِ رزم سے باہر رہ کر دوسرے کارہائے مفوضہ انجام دیئے۔ اصحاب بدرؓ کی تعداد تین سو تیرہ سے کچھ کم ہو یا زیادہ بہرصورت حضرت ابوایوب انصاریؓ کا جنگِ بدر میں شرکت کرنا متفق علیہ ہے۔

بدری صحابہ کرامؓ کو تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت اور درجہ حاصل ہے۔ رسول اکرمؐ نے متعدد مواقع پر اصحاب بدر کی فضیلت بیان فرمائی اور ہمیشہ ان کو اعزاز واکرام سے نوازا۔ ایک دفعہ حضورؐ مسجد نبوی میں صحابہ کرامؓ کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ مجلس اقدس میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اتنے میں کچھ بدری صحابہ وہاں آ گئے۔ اور بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ انہیں کھڑا دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ اور ان اصحاب سے جو جنگ بدر میں شریک نہیں تھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "تم اپنے بدری بھائیوں کے لیے جگہ خالی کر دو۔" اس سے اصحاب بدر کی فضیلت اور قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سرورِ کونینؐ کے وصال کے بعد بھی مسلمانوں میں اصحاب بدر کی فضیلت ہمیشہ مسلّم رہی۔ فاروقِ اعظمؓ نے عراق اور شام کی فتوحات کے بعد جب لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو امہات المومنینؓ اور حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب[1] کے بعد اصحاب بدرؓ کو سب سے مقدم رکھا البتہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے روزینے (پانچ ہزار درہم فی کس) ان کے بدری نہ ہونے کے باوجود قرابت رسول کی وجہ سے اصحاب بدر کے برابر مقرر کئے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے دوسرے فضائل بھی یوں تو کچھ کم نہیں لیکن

---

[1] حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب سرور عالمؐ کی پھوپھی تھیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ ان کے حقیقی بھائی تھے اور حواریٔ رسولؐ حضرت زبیر بن العوامؓ ان کے فرزند تھے۔ صحابیات میں ان کا بڑا درجہ ہے۔

"اصحابؓ بدر" میں ان کی شرکت خاص شرف و امتیاز کی حامل ہے۔

(۲)

جنگِ بدر کی اہمیت جنگ بدر جس میں شرکت کی بدولت "اصحاب بدر" کو عظیم فضیلتیں حاصل ہوئیں۔ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت اور شہرت رکھتی ہے۔ اس جنگ میں مٹھی بھر بے سروسامان فرزندان توحید کے ہاتھوں کفر و طاغوت کے بڑے بڑے با جبروت بت سرنگوں ہو گئے اور صنم کدوں میں ماتم دشیون برپا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو صداقت اسلام کی دلیل بنا دیا اور اسے "یوم الفرقان" کے نام سے پکارا۔ مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ (۵۴ : ۴۵)

(عنقریب (کفار کا) گروہ شکست کھائے گا (اور مسلمانوں کے مقابلہ میں) پیٹھ پھیر کر بھاگے گا)

جنگِ بدر سے اس آیت میں بیان کردہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کمزوروں سے زبردستوں کو پچھاڑنے پر بھی قادر ہے۔ رب العزت نے اپنی قدرت کریمہ کو قرآن حکیم میں اس طرح بیان فرمایا:۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
(آل عمران)

ترجمہ:۔ یقیناً خدا نے بدر میں تمہاری مدد کی۔ جبکہ تم کمزور تھے۔ تو اللہ کے تقویٰ کو اختیار کرو تاکہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔

جنگِ بدر کی اہمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ کیا جا سکے گا کہ لڑائی سے

پہلے سرورِ کونینؐ ساری رات بیدار رہ کر مصروفِ عبادت رہے اور بارگاہ ربّ العزّت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ان الفاظ میں دعا مانگی۔

"الٰہی اگر تو نے اہلِ توحید کی اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اس زمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ الٰہی تو نے مجھ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے اسے آج پورا کر۔"

اس وقت حضورؐ کی محویت کا یہ عالم تھا کہ ردائے مبارک دوشِ اقدس سے بار بار گر پڑتی تھی مگر آپ کو احساس تک نہ ہوتا تھا۔ ربّ ذوالجلال نے اپنے محبوب کی دعا قبول فرمائی اور ملائکہ کی فوجیں فرزندانِ توحید کی مدد کیلئے نازل فرمائیں۔ تاریخ و سِیَر کی کتابوں میں جنگِ بدر کے حالات بڑی تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ ہم اس کتاب میں اس کے اجمالی تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔

(۳)

غزوۂ بدر کے اسباب و علل

ہادیٔ اکرمؐ اگرچہ اپنے جان نثار رفقاء کے ساتھ مکّہ سے تین سو میل دور مدینہ میں تشریف لے آئے تھے لیکن بدستور قریشِ مکہ کی آنکھوں کا کانٹا بنے ہوئے تھے۔ ان بدبختوں نے ہجرتِ نبوی کے بعد بھی فرزندانِ توحید کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں اور شرانگیزیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ پہلے انہوں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو یا انہیں مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ آور ہو کر تم کو فنا کر دیں گے۔ قریش کا خط ملنے پر عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے لڑنے پر کمر باندھی۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپ منافقوں کے پاس تشریف لے

گئے اور ان کو سمجھایا کہ قریش کی دھمکی سے ڈر کر مسلمانوں سے تمہارا لڑنا اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی سمجھ گئے کہ مسلمانوں سے لڑنے میں فی الواقع ان کا اپنا ہی نقصان ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مفسدانہ ارادے سے باز آگئے۔ لیکن ان کے دل مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں تھے اور وہ درپردہ قریش مکہ سے ملے ہوئے تھے اسی طرح قریش نے یہود مدینہ کو بھی سازشی کارروائیوں کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ دشمنانِ حق کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمان ایک مدت تک راتوں کو جاگا کرتے تھے یا پہرے مقرر کر کے اور ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔

ہجرت کے چند دن بعد حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری (رئیس اوس) عمرہ کے لیے مکہ گئے اور وہاں امیہ بن خلف (رئیس مکہ) کے پاس قیام کیا۔ طواف کے لیے نکلے تو راستے میں ابوجہل مل گیا۔ اس نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ تم صابیوں کو پناہ دے کر مکہ میں اطمینان سے پھر رہے ہو اگر امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو تم واپس گھر نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے غضب ناک ہو کر جواب دیا۔ روک کر دیکھو تو سہی میں تمہارا مدینہ کا راستہ روک دوں گا۔ امیہ نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ لیکن اس واقعہ کی تلخی باقی رہ گئی۔

ربیع الاوّل ۲ھ میں قریش کے ایک جنگجو کرز[1] بن جابر فہری نے مدینہ منورہ

---

[1] کرز بن جابر فہری بعد میں مسلمان ہو گئے۔ فتح مکہ کے دن جن تین مسلمانوں نے شہادت پائی حضرت کرزؓ ان ہی میں سے ایک تھے۔

پر چھاپہ مارا اور شہر کی بیرونی چراگاہ سے اہل مدینہ کے اونٹ ہنکا کر لے گیا۔ حضورؐ نے مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ وادیٔ سفوان تک اس کا تعاقب کیا لیکن کرز ہاتھ نہ آیا۔ اس قسم کی غارت گریوں کے ساتھ ساتھ قریش بڑے زور شور کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ عناصر فساد و شر سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حضورؐ بھی مہاجرین کی ہتھیار بند جماعتیں اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے تھے۔ غزوۂ الواء، بعث عُبَیدہ بن حارث۔ بعث حمزہ۔ غزوہ بواط۔ غزوۂ بدر اولیٰ (جس میں کرز بن جابر فہری کا تعاقب کیا گیا) اور سَریۂ عبداللہ بن جحش انہی دنوں کی یادگار ہیں۔ ان میں سب سے اہم سَریۂ[1] عبداللہ بن جحش ہے کیونکہ یہی سریہ قریش کے فوری اشتعال کا سبب بن گیا۔ جس کا نتیجہ "جنگ بدر" کی صورت میں نکلا۔

(۴)

سریہ عبداللہ بن جحشؓ رجب سنہ ۲ ہجری میں سرورِ کائناتؐ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو دس بارہ صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کیا کہ قریش کے حالات کا پتہ لگائیں۔ ان کی روانگی کے وقت حضورؐ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دے کر فرمایا کہ دو دن کے سفر کے بعد اس خط کو پڑھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ حضرت عبداللہ نے حضور کے ارشاد کے مطابق

---

[1] اکثر اہل سیر نے ہر ایسے معرکہ کو جس میں رسول کریمؐ نے خود شرکت فرمائی "غزوہ" کا نام دیا ہے اور جس معرکہ میں حضورؐ نے لشکر بھیجا اور خود شریک نہ ہوئے اسے سَریہ اور بعث سے تعبیر کیا ہے۔

دو دن کے بعد یہ خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ مضمون لکھا پایا :۔

"مقام نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ) میں جاکر ٹھہرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ جس کی مرضی ہو تمہارے ساتھ رہے ورنہ واپس آجائے۔"

حضرت عبداللہ حضورؐ کے حکم کے مطابق نخلہ میں جاکر ٹھہر گئے۔ ان کے سب ساتھیوں نے بھی اسی جگہ قیام کیا۔ اتفاق سے قریش کے چند لوگ (شام یا طائف سے) تجارت کا سامان لیے ہوئے ادھر آنکلے۔ ان میں قریش کا ایک معزز شخص عمرو بن حضرمی بھی تھا۔ مسلمانوں نے اس قافلے پر حملہ کر دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ سہمیؓ کے ایک تیر سے عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ دو اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے اور باقی آدمیوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ حضرت عبداللہ قیدیوں اور مالِ غنیمت کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا۔" میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی۔" دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی انھیں ملامت کی کہ تم نے رسول اکرمؐ کی اجازت کے بغیر قافلہ لوٹا اور ماہِ حرام میں لڑے۔ حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں نے عذر پیش کیا کہ یہ کام ان سے اشتباہ والتباس کی بنا پر سرزد ہوا ہے۔ اور وہ اس کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ چند دن بعد سرورِ کائنات نے حکم الٰہی کے مطابق ان لوگوں کی خطا معاف کر دی اور مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ دونوں اسیرانِ سریہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور مدینہ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

(۵)

قریش کی یلغار عمرو بن حضرمی کے قتل کی خبر سن کر قریش کی آتشِ عداوت بری طرح بھڑک اٹھی اور وہ جوشِ انتقام سے بیقرار ہو گئے۔ چند دن پہلے انھوں نے ایک عظیم الشان قافلۂ تجارت ابو سفیان کی سرکردگی میں شام روانہ کیا تھا۔ اب وہ اس قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں عمرو بن حضرمی کا واقعۂ قتل پیش آیا اور پھر چند دن بعد مکہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان قریش کے قافلۂ تجارت کو لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب قریش کے غیظ و غضب کا جہنم پوری طرح بھڑک اٹھا اور ان کے ایک ہزار سے زیادہ جنگجو زبردست ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں سات سو اونٹ تین سو گھوڑے اور ایک زرہ پوش رسالہ[1] تھا۔ ابولہب کے سوا (جس نے کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی جگہ ایک اور آدمی بھیج دیا) تمام رؤسائے قریش عمرو بن ہشام (ابوجہل) عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ امیہ بن خلف۔ عقبہ بن ابی معیط۔ سعید بن عاص۔ حرث بن عامر۔ ابو البختری بن ہشام۔ ولید بن عتبہ وغیرہ شامل تھے۔ سپہ سالار لشکر عتبہ بن ربیعہ تھا۔ اس پر خروش لشکر نے بدر کے قریب جا کر قیام کیا۔ بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے قریب ایک چشمہ یا کنوآں تھا۔ یہاں ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ قریش کا ہر ایک سپاہی زرہ پوش تھا۔

اس سے زیادہ اس مقام کی کچھ اہمیت نہ تھی۔ لیکن (ہجرت کے بعد) کفر و اسلام کے معرکۂ اوّل کی بدولت اس مقام کو حیاتِ ابدی حاصل ہو گئی۔ بدر پہنچ کر قریش کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا قافلہ خیریت سے مکّہ کی طرف چلا گیا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ اور کچھ دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ اب لڑنے سے کچھ حاصل نہیں لیکن ابوجہل اور بعض دوسرے بااثر سردارانِ قریش لڑنے پر مصر تھے۔ انہوں نے لشکر کو ایسا مشتعل کیا کہ سب لڑنے مرنے پر تل گئے۔

(۶)

انصار کا جوشِ جہاد

سرورِ کونین صلعم کو قریش کی لشکر کشی کی اطلاع ملی تو آپ نے مہاجرین رض و انصار رض کو جمع کیا اور ساری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت عمر فاروق رض اور حضرت مقداد بن عمرو رض نے اس موقع پر نہایت پرجوش تقریریں کیں اور کہا کہ ہم راہِ حق میں اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ یہ تینوں جانباز مہاجر تھے رسول کریم صلعم انصار رض کا منشا بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ بیعت کے وقت انہوں نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر بھی دشمن سے لڑیں گے۔ حضور صلعم نے انصار کی طرف دیکھا (ایک روایت کے مطابق فرمایا کہ اب دوسرے حضرات بھی مشورہ دیں) رئیس اوس حضرت سعد بن معاذ رض ہادی اکرم صلعم کا اشارہ سمجھ گئے۔ معاً اٹھ کھڑے ہوئے اور پرجوش لہجہ میں عرض کی۔ "یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی رسالت کی تصدیق کی آپ کی فرمانبرداری کا عہد کیا پس جو بھی مرضی مبارک میں ہو وہ کیجئے۔ رب اکبر کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم کود جائیں گے۔ ہمارا ایک متنفس

بھی پیچھے نہیں رہیگا۔ انشاءاللہ آپ ہمیں میدان جنگ میں ثابت قدم اور شجاع پائیں گے اور اللہ تعالٰی ہماری طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے گا"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقعہ پر رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہ تقریر کی۔

"یا رسول اللہ شاید آپ کا اشارہ انصار کی طرف ہے اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو ہم اسے پامال کر ڈالیں اور خشکی کا حکم دیں تو برک غماد (حبش یا یمن کی ایک جگہ کا نام ہے) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں"!

انصار کا جوشِ جہاد اور جذبۂ فدویت دیکھ کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔

غرض ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری مطابق ۹ مارچ ۶۲۴ء کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مقدس لشکر میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ تھے۔ روانگی سے پہلے حضورؐ نے حضرت ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا اور حضرت عاصم بن عدیؓ کو قبا کا حاکم مقرر فرمایا۔

(۷)

میدانِ بدر میں

مجاہدینِ اسلام پانچویں دن یعنی ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری کو میدان بدر میں پہنچے۔ قریش پہلے سے موجود تھے اور انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کی قیام گاہ کے نیچے زمین ریتلی تھی جس میں آدمیوں

اور اونٹوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر چشمے (یا کنوئیں) پر قبضہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے مینہ برسا دیا جس سے مسلمانوں کی طرف کی زمین جم کر سخت ہو گئی۔ کفار نشیبی جگہ میں خیمہ زن تھے ان کی قیام گاہ میں ہر طرف کیچڑ ہو گئی۔ مسلمان چاہتے تو کفار پر پانی بند کر سکتے تھے لیکن رحمتِ عالمؐ نے گوارا نہ کیا کہ دشمن پانی کو ترسیں۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ پانی لینے سے کسی کو منع نہ کیا جائے۔ مسلمانوں نے بارش کے پانی سے بھی فائدہ اٹھایا اور اسے روک کر متعدد حوض بنا لیے جن سے وضو اور غسل کا کام لیا جاتا تھا۔ رات ہوئی تو صحابہؓ کرام ہتھیار کھول کر سو گئے۔ البتہ سرورِ کونینؐ ساری رات بیدار رہ کر مصروفِ دعا رہے۔ صبح کی نماز کے بعد حضورؐ نے صف آرائی شروع کی۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر۔ خزرج کا حضرت حبابؓ بن منذر اور اوس کا حضرت سعدؓ بن معاذ کو عنایت فرمایا۔ حضرت ابو ایوبؓ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جس وقت ہم لوگ تیار ہوئے تو کچھ لوگ صف سے باہر نکل کر کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا "میرے ساتھ رہو" صف بندی کے بعد حضورؐ نے بارگاہِ رب العزت میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے کہ "الٰہی تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے آج پورا فرما۔"

(۸)

ایک عجیب نظارہ | جنگ بدر میں جب تین سو تیرہ (۳۱۳) نفوسِ قدسی دشمنانِ حق کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تو چرخ نیلی فام نے ایک عجیب نظارہ دیکھا کہ بیٹے کے مقابلے میں باپ۔ بھائی کے مقابلے میں بھائی۔ چچا کے مقابلے میں بھتیجا۔ بھانجے کے مقابلے میں ماموں (وعلیٰ ہذا القیاس) جان کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ دینِ حق کے نام لیواؤں نے اعلان کر دیا تھا کہ جو محمد رسول اللہ کا دشمن ہے ہمارا اس

سے کوئی واسطہ نہیں۔ خون رنگ نسل کے سب رشتے اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے سامنے ہیچ ہیں تا آنکہ لات و عزیٰ کے پجاری خدائے واحد پر ایمان لاکر ہماری ملت میں شامل نہ ہو جائیں حتیٰ تؤمنوا باللہ وحدہٗ۔

تاریخ نے ان عجیب و غریب حریفوں میں سے بعض کے نام محفوظ کر لیے ہیں۔ مندرجۂ ذیل تقابل ملاحظہ فرمایئے۔

علمبردارانِ حق	پرستارانِ باطل
سرورِ کائنات آقائے دو جہاں فخر الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۔ آپؐ کے داماد ابوالعاص ۲۔ آپؐ کے چچازاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب۔ ۳۔ آپؐ کے دوسرے عم زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ۴۔ آپؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب ۵۔ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی مسعود بن ابی امیہ ۶۔ آپؐ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب
شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ	ان کے برادرِ حقیقی عقیل بن ابی طالب اور چچا عباسؓ بن عبدالمطلب۔
سیدالشہداء حمزہؓ بن عبدالمطلب	ان کے بھائی عباسؓ بن عبدالمطلب اور بھتیجے عقیل بن ابی طالب

علمبرداران حق	پرستاران باطل
حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ	۱۔ ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ ۲۔ ان کا چچا شیبہ بن ربیعہ ۳۔ ان کا بھانجا حنظلہ بن ابی سفیان ۴۔ ان کا بھائی ولید بن عتبہ
حضرت ابوبکر صدیقؓ	ان کے فرزند عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ
حضرت عمر فاروقؓ	ان کا ماموں عاصی بن ہاشم
حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف۔	ان کا چچازاد بھائی حرث بن عامر
حضرت مصعب بن عمیرؓ	ان کا بھائی ابوعزیز بن عمیر
حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف	ان کا خسر عقبہ بن ابی مُعَیط
حضرت ابوعبیدہ عامرؓ بن عبداللہ بن جراح	ان کا باپ عبداللہ بن جراح
حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد	ان کا بھائی اسود بن عبدالاسد
حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ	ان کا چچا عمرو بن عثمان
حضرت عبداللہ بن سہیل	ان کا والد سہیل بن عمرو
حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ	ان کا اخیافی بھائی ابوجہل

پرستارانِ حق کے جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرزند عبدالرحمٰنؓ ایمان لائے تو ایک دن انھوں نے اپنے پدرِ گرامی سے کہا۔" ابا جان

جنگ بدر میں آپ کئی بار میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔" حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔" اے بیٹے اگر تو اس دن میری تلوار کی زد پر آجاتا تو خدا کی قسم تیری گردن اڑا دیتا۔" حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مشرک ماموں عاصی بن ہاشم کو عین معرکہ کارزار میں جہنم واصل کیا۔ حضرت ابو عبیدہ عامرؓ کا مشرک باپ عبداللہ بن جراح ان کی شمشیر اجل کا نشانہ بن گیا۔ اور نسبی و خونی تعلق انھیں اپنا فرض ادا کرنے سے نہ روک سکا۔ سلام ان پر کہ جنھوں نے اللہ کی راہ میں ماں باپ بھائی زن و فرزند، مال و دولت سب چھوڑ دیئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے فرزند حضرت عبدالرحمٰنؓ کے جنگ بدر میں ایک دوسرے کے مقابل ہونے کے واقعہ کو حافظ محمد اسلم جیراجپوری مرحوم نے ایک ایمان افروز نظم میں اس طرح پیش کیا ہے۔

پسر حضرت صدیقؓ وہ عبدالرحمان | جو کہ تقویٰ میں تھے بے مثل شجاعت میں مثل
مصر اور شام کی جنگوں میں جو جو کیے کام | زینت صفحۂ تاریخ ہیں ان کے وہ عمل
ہاتھ تیغ تھی یا برق پئے خرمن کفر | دیکھ کے دل جسے کفار کے جاتے تھے دہل
سطوت حق کا زمانہ پہ بٹھایا سکہ | چمن دہر سے باطل کو کیا مستاصل
بدر تک ان کو نہ اسلام پہ آیا تھا یقین | تھے شریک صف اعداء وہ پئے جنگ و جدل
بعد ازاں لائے اسلام وہ والا گہر | نور توفیق الٰہی نے دکھائی مشعل
بزم اصحاب رسول عربیؐ میں اک روز | غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ آیا جو نکل
بولے یہ حضرت صدیقؓ سے عبدالرحمٰنؓ | حملہ آور جو ہوئی بدر میں صف اول
ایک بار آپ وہاں آگئے میری زد پر | سخت موقع تھا جو نیت میں کہیں آئے خلل

پاسِ ناموسِ حقوقِ پدری نے رد کا　　دوسری سمت کو رخ اپنا لیا میں نے بدل
سن کے یہ حضرت صدیقؓ نے ارشاد کیا　　راہ حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل
تو مری زد پہ جو آتا تو نہ بچ کر جاتا　　یہ مری تیغ تھی تیرے لیے پیغامِ اجل
دشمنِ حق سے مسلماں کی قرابت کیسی
اس کا رشتہ ہے فقط حُبِّ خدا عزوجل

(۹)

لڑائی کا آغاز جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے۔ اس وقت عرب میں بالخصوص اور دوسرے ممالک میں بالعموم یہ دستور تھا کہ مخالف فوجیں عام لڑائی سے پہلے مبارزہ کیا کرتی تھیں یعنی ایک ایک دو دو آدمی نکل کر مخالف فریق کے اتنے ہی آدمیوں کو لڑنے کے لیے للکارتے تھے۔ چنانچہ میدان بدر میں جب شرار بولہبی چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار ہوا تو کفار کی طرف سے سب سے پہلے عامر بن حضرمی نکلا اور اس نے لشکرِ اسلام کو دعوت مبارزت دی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت مہجعؓ بن صالح یمنی جھپٹ کر نکلے وہ کچھ عرصہ پہلے حضرت عمرؓ فاروق کے غلام تھے۔ فاروق اعظمؓ نے انھیں راہِ خدا میں آزاد کر دیا تھا۔ حضرت مہجعؓ کے دل میں شوقِ شہادت چٹکیاں سے رہا تھا انھوں نے اپنے حریف کی جنگی مہارت کی قطعاً پروا نہ کی اور فوراً اس کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ مقدور بھر داد شجاعت دی اور آخر عامر کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ بدر کے میدان میں یہ پہلا خون تھا جو اللہ کے راستے میں گرا۔ مہجع کی شہادت کے بعد عامر اکڑتا ہوا اپنے لشکر کو واپس لوٹ گیا اور پھر قریش مکہ کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن

عتبہ اکڑتے ہوئے نکلے۔ یہ تینوں قریش کے نامی بہادر تھے۔ عتبہ نے اپنے سینہ پر شتر مرغ کے پر کا امتیازی نشان لگایا ہوا تھا۔ ان تینوں نے علمبرداران حق کو دعوت مبارزت دی۔ تین انصاری عاشقان رسول معاذؓ معوذؓ اور عوف پسران حارثؓ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے (بعض مؤرخین نے عوفؓ بن حارثؓ کی جگہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ انصاری کا نام لکھا ہے) عتبہ نے ان کا حسب و نسب پوچھا۔ جب انہوں نے بتایا تو عتبہ پکارا۔ "محمدؐ یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں ہماری قوم اور کفو کے آدمی ہمارے مقابلے پر بھیجو۔"

حضورؐ نے شیر خدا حمزہؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور عبیدہ بن حارثؓ کو حکم دیا کہ جاؤ اور راہ خدا میں لڑو۔ یہ تینوں قریشی تھے۔ عتبہ نے انھیں دیکھ کر کہا۔ "ہاں اب یہ ہمارے جوڑ کے ہیں۔"

عتبہ نے حضرت حمزہؓ اور ولید نے حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا۔ اور عبیدہؓ شیبہ سے معرکہ آرا ہوئے۔

حضرت حمزہؓ اور علیؓ شیر خدا نے آناً فاناً اپنے حریفوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ البتہ عبیدہؓ جو معمر تھے اور بنو عبد مناف کے سب لوگوں سے عمر میں بڑے تھے۔ شیبہ کی تلوار سے شدید زخمی ہوئے۔ علیؓ شیر خدا حضرت عبیدہؓ کی مدد کو بڑھے اور انہوں نے ایک ہی وار میں شیبہ کو نار جہنم کے حوالے کر دیا۔ طعیمہ بن عدی بن نوفل جوش میں آکر آگے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ کی شمشیر خارا شگاف نے اسے بھی خاک و خون میں سلا دیا۔ علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت عبیدہؓ کو کمر پر ڈال کر رسول کریمؐ کے سامنے لائے۔ عبیدہؓ نے بیتابانہ عرض کی "یارسول اللہ کیا میں دولت

شہادت سے محروم رہا۔"

حضورؐ نے فرمایا "نہیں تم نے درجۂ شہادت حاصل کر لیا۔"

زخمی عبیدہؓ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ بے اختیار ہو کر بولے کہ آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔[1]

ونسلمه حتی نصرع حوله	ہم محمد رسول اللہ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے۔
ونذهل عن ابنائنا والحلائل	ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں گے۔

اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ اس گھمسان کا رن پڑا کہ ارض و سما کانپ اٹھے۔ سرورِ کائناتؐ اس وقت میدان کے کنارے چھپر کے ایک سائبان میں تشریف فرما تھے اور فرزندانِ توحید کی نصرت کے لیے دست بدعا تھے۔ حق و باطل کے اس معرکۂ عظیم کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۰)

شوقِ شہادت کی انتہا | جب مشرکین مسلمانوں کے نزدیک آ گئے تو سرورِ کائناتؐ نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ اٹھو اور جنت

---

[1] جاں نثارِ رسولؐ حضرت عبیدہؓ نے بدر سے مراجعت کے بعد وادیٔ صفراء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے آپ کو واقعی ابوطالب کے مذکورہ شعر کا مستحق بنا لیا۔

کی طرف بڑھو جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کی طرح ہے۔

حضرت عمیر بن حمام انصاریؓ بھی ان صحابہؓ میں موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی " یا رسول اللہ اس جنت کی طرف جس کا عرض ارض و سما کا عرض ہے "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- " ہاں "

حضرت عمیر بن حمامؓ نے بے ساختہ کہا۔ " بخ بخ (یعنی واہ واہ)

حضورؐ نے پوچھا " تمہیں کس چیز نے واہ واہ کہنے پر آمادہ کیا۔"

عمیرؓ نے عرض کی۔ " یا رسول اللہ خدا کی قسم میں نے یہ کلمہ اس امید پہ کہا کہ میں بھی اہل بہشت میں سے ہو جاؤں ۔"

حضورؐ نے فرمایا " بیشک تم بھی بہشت والوں سے ہو۔"

حضرت عمیرؓ اپنی جھولی سے چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر شوق شہادت میں بیتاب ہو کر کہا۔ " اگر میں ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کروں تو یہ بہت طویل زندگی ہے ۔"

یہ کہہ کر باقی کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار پکڑ کر مردانہ وار صف اعداء میں گھس گئے۔ بہت سے دشمنوں نے نرغہ میں لے لیا۔ مشتاق جنت عمیرؓ نہایت پامردی اور جانبازی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے[1]

---

[1] صحیح مسلم میں اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت جابرؓ سے منقول ہے۔ اس میں نام کی تصریح نہیں کی گئی۔ اور واقعہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ " یا رسول اللہ

(١١)

واہ واہ اے حارثہؓ

حارثہ بن سراقہؓ انصاری مشہور صحابیہ حضرت رُبیّع بنت نضرؓ کے اطاعت گزار بیٹے تھے۔ سراقہ ہجرت نبوی سے قبل فوت ہو گئے تھے اور ربیعؓ اپنے بیٹے کے سہارے پر ہی زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ سعادت مند بیٹا ماں کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت کا بھی خیال رکھتا تھا اور ماں اپنے بیٹے کی سعادتمندی پہ سو جان سے فدا تھیں۔ جب اسلام کی نورانی کرنوں نے سرزمین یثرب کو منوّر کیا۔ تو دونوں ماں بیٹا دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔

ایک دن رحمت دو عالمؐ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں حارثہ سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا "صبح کیسے اٹھے؟ جواب دیا۔" یا رسول اللہ اس طرح کہ مسلم صادق ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔" سوچ کر جواب دو۔ ہر بات کی اصلیت ہوتی ہے۔"

حارثہؓ نے عرض کی۔" یا رسول اللہ دنیا سے کنارہ کر لیا ہے رات کو رواں اور دن کو تشنہ لب رہتا ہوں۔ اس وقت اپنے آپ کو عرش کی جانب مائل بہ پرواز محسوس کر رہا ہوں۔ اور دیکھ رہا ہوں کہ دوزخی دوزخ میں جا رہے ہیں اور جنتی

اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔" حضورؐ نے فرمایا۔" جنت میں" اس شخص کے ہاتھ میں کچھ چھوہارے تھے اس نے زمین پر پھینک دیئے پھر مشرکین سے ایسا لڑا کہ شہید ہو گیا۔

جنّت میں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "جس بندۂ حق کا سینہ اللہ پر نور کردے وہ اپنے خالق سے جدا نہیں ہوتا۔"

حارثہؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ ذاتِ اَحد مجھے رتبۂ شہادت پر فائز کرے۔"

حضورؐ نے ان کی التدعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے لیے شہادت کی دعا کی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد غزوۂ بدر پیش آ گیا۔ حضرت حارثہؓ اس میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ گھوڑے پر سوار تھے اور سب سے پہلے میدان جہاد کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک حوض پر پانی پی رہے تھے کہ ایک مشرک نے تاک کر تیر مارا۔ حضرت حارثہؓ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے اور انصار میں سب سے رسول کریمؐ پر اپنی جان قربان کر دی۔

ماں کو اپنے سعادت مند فرزند سے بے پناہ محبت تھی۔ غزوہ سے واپسی پر با دیدۂ پرنم رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ "یا رسول اللہ میں اپنے اطاعت گزار فرزند پر دیوانہ وار فدا تھی۔ اگر وہ جنت میں گیا ہے تو خیر ورنہ آپ دیکھیں گے کہ میں اپنا کیا حال بناتی ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "جنت کیا حارثہؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس عطا کی ہے"

فدائے حق ماں خیر البشرؐ کی زبان مبارک سے اپنے بیٹے کے لیے جنت الفردوس کی بشارت سن کر نہال ہو گئیں۔ لبوں پر بے اختیار تبسم آ گیا اور کہنے لگیں۔

بخ بخ یا حارثہ یعنی واہ واہ اے حارثہ۔

(۱۲)

ابوالبختری کا قتل

حضرت عبداللہ (مجذر) بن زیادؓ انصاری رسول اللہؐ کے عاشق صادق تھے غزوۂ بدر میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مصروف دغا تھے کہ ان کا سامنا رئیس مکہ ابوالبختری سے ہوگیا۔ وہ اپنے ایک رفیق جنادہ بن ملیحہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھا۔ ابوالبختری ایک شریف الطبع انسان تھا اس نے مکہ میں کئی مواقع پر رسول کریمؐ کی مدد کی تھی۔ اس لیے حضورؐ نے مسلمانوں کو اس کے قتل کی ممانعت فرما دی تھی۔

حضرت مجذرؓ بن زیاد نے اسے دیکھ کر کہا۔ "رسول کریمؐ نے تمہارے قتل کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے میں تمہیں چھوڑتا ہوں۔"

ابوالبختری نے کہا "کیا میرے ساتھی کو بھی چھوڑتے ہو؟"

مجذرؓ نے کہا "اسے کیوں چھوڑوں؟ رسول اللہ نے صرف تمہاری جاں بخشی کا حکم دیا ہے۔"

ابوالبختری نے جواب دیا۔ "یہ کبھی نہ ہوگا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو تنہا چھوڑ دوں۔ قریش کی عورتیں مجھے خود غرض کہیں گی ؎

لن یسلم ابن حرۃ اکیلہ

حتیٰ یموت او یری دبیلہ

(کسی آزاد عورت کا بیٹا اپنے موکل کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا خواہ مرجائے یا کامیاب ہو)

یہ کہہ کر اونٹ سے کود پڑا اور حضرت مجذرؓ پر حملہ آور ہوا۔ وہ جنونِ عشق میں

سرمست تھے مجبور ہو کر ہاتھ اٹھایا اور تلوار کے ایک ہی وار سے ابوالبختری کو کاٹ کر رکھ دیا لیکن رسول کریمؐ کا حکم یاد آیا تو جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ دست بستہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔" یا رسول اللہ ربّ ذوالجلال کی قسم میں نے ابوالبختری کو زندہ پکڑ کر آپ کی خدمت میں لانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ لڑائی کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوا اور میرے ہاتھ سے مارا گیا۔"

حضورؐ نے ان کا عذر معقول سمجھ کر درگذر فرمایا۔[1]

---

[1] جنگ احد میں بھی حضرت مجذرؓ نہایت جوش و خروش سے شریک ہوئے لیکن خدا کی قدرت کہ وہ اپنے ایک مسلمان بھائی کی تیغِ جفا کا شکار ہو گئے۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے سوید بن صامت کو قتل کیا تھا اس کا بیٹا حارث مسلمان ہو گیا تھا لیکن مجذرؓ کی طرف سے اپنا دل صاف نہ کیا تھا۔ جنگ احد کے دن موقع پاکر اس نے حضرت مجذرؓ کو شہید کر ڈالا اور اسلام سے برگشتہ ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ حضورؐ کو اس کی ناپاک حرکت سے بہت صدمہ پہنچا۔

فتح مکہ کے دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اسے مجذرؓ کے عوض قتل کرا دیا۔

مجذرؓ کے ایک دلی دوست حضرت عبداللہ بن سلمہؓ انصاری تھے۔ سفرِ آخرت میں انہوں نے بھی اپنے دوست کا ساتھ دیا اور معرکہ کارزار میں عبداللہ بن زبعری کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ دونوں دوستوں کی لاشیں ایک ہی اونٹ پر رکھی گئیں۔ عبداللہؓ بہت تنومند اور فربہ تھے مجذرؓ دھان پان جسم کے تھے لیکن دونوں لاشوں کا توازن اونٹ پر قائم رہا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ توازن مجذرؓ کے وزنی اعمال کی وجہ سے ہے۔

حضرت مجذرؓ اور عبداللہ بن سلمہ دونوں انصار کے قبیلہ بلی سے تھے۔ دونوں نے ہجرت نبوی کے بعد اسلام قبول کیا اور دونوں نے بدر میں بھی نہایت پامردی سے داد شجاعت دی۔

(۱۳)

ابوجہل کا قتل

معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموحؓ مدینہ کے دو انصاری نوجوان تھے۔ رسولِ اکرمؐ سے انھیں والہانہ محبت تھی۔ انہوں نے کہیں سے سنا کہ رئیس مکہ ابوجہل ان کے آقا کو گالیاں دیتا ہے۔ دونوں کا خون کھول اٹھا اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ جب بھی موقع ملا اس دشمنِ خدا کو قتل کر دیں گے۔

جنگِ بدر کے دن انھیں معلوم ہوا کہ ابوجہل بھی مشرکین کے لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ دونوں اس کی تلاش میں نکلے۔ پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے ڈھونڈنے میں دقت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہیں ان کے پاس تھے۔ دونوں میں سے ایک نے ان سے پوچھا۔ "عم محترم کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا اور کہا۔ "ہاں بھتیجے پہچانتا ہوں لیکن تمہیں اس سے کیا کام؟" وہ بولے "میں نے سنا ہے وہ ہمارے حبیب پاکؐ کو گالیاں دیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اس کو ڈھونڈ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں جب تک اسے ہلاک نہ کر دوں یا اپنی جان نہ دے بیٹھوں۔"

دوسرے نوجوان نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ

لہ یہ روایت خمیس اور صحیح مسلم کی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت یہ ہے کہ ابوجہل

کو ان نوجوانوں کے جذبۂ جاں نثاری پر بہت حیرت ہوئی۔ اتنے میں مشرکین کے لشکر میں ابوجہل گھوڑا دوڑاتا نظر آیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اشارہ سے بتایا "وہ رہا ابوجہل"۔ دونوں نوجوان تیر کی طرح ابوجہل کی طرف لپکے۔ قریب پہنچ کر ایک نے ابوجہل کے گھوڑے پر تلوار کا وار کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر۔ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آ رہے۔ اب دونوں نے اس پر پے در پے تلواروں کے وار شروع کر دیئے۔ عکرمہ بن ابی جہل پاس ہی تھا اس نے لپک کر تلوار کا ایک بھرپور وار معاذ بن عمرو بن جموحؓ کے شانے پر کیا۔ شانہ کٹ گیا اور صرف کھال سے لٹکا ہوا رہ گیا۔ معاذؓ نے اس لٹکے ہوئے بازو کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر لڑائی میں مصروف ہو گئے جب لڑنے میں دقت ہوئی تو ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، کھال کا تسمہ ٹوٹ گیا اور انہوں نے اپنے شہید بازو کو دور پھینک دیا۔ دوسرے نوجوان معاذ بن عفراءؓ پر ایک اور مشرک ابن ماعض زریقی نے حملہ کیا اور انھیں شدید زخمی کر دیا۔ دوسری طرف ابوجہل بھی قریب قریب ختم ہو گیا تھا۔ اتنے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہنچ گئے۔ انہوں نے اس دشمنِ خدا کی چھاتی پر سوار ہو کر اس کا سر کاٹ لیا اور سرورِ کونین ﷺ کے

کو معاذؓ اور معوذؓ دو انصاری بھائیوں نے قتل کیا جنہیں کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمروؓ نے ابوجہل کو گھائل کر دیا تو معوذ بن عفراء بھی وہاں جا پہنچے اور انہوں نے بھی ابوجہل پر تلوار کے وار کیے۔

اتنا ثابت ہے کہ معوذؓ نے غزوہ بدر میں جام شہادت پیا۔

قدم مبارک پر لا ڈالا۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

(آج اس امّت کا فرعون مر گیا)

اُدھر دونوں ہمنام عاشقانِ رسولؐ خون میں نہائے ہوئے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ ہم نے ابوجہل کو جہنم واصل کر دیا ہے"
حضورؐ نے پوچھا۔ "تم نے اپنی تلواریں دھو ڈالی ہیں یا نہیں؟"
دونوں نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ نہیں ابھی ابوجہل کا ناپاک خون ان سے ٹپک رہا ہے۔"

حضورؐ نے خون آلودہ تلواریں دیکھیں اور فرمایا:۔
"بیشک تم دونوں نے ابوجہل کو قتل کیا ہے۔"

(۱۴)

فتحِ مبین

کفار کے حوصلے پست کرنے کے لیے عتبہ اور ابوجہل کا قتل ہی کچھ کم نہ تھا لیکن تھوڑی دیر میں جب ان کے دوسرے بڑے بڑے سردار ولید بن عتبہ، سعید بن عاص، حرث بن عامر، شیبہ بن ربیعہ اور اُمیّہ بن خلف وغیرہ بھی خاک خون میں لوٹ گئے تو انھوں نے بددل ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور مٹھی بھر فرزندانِ توحید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سے سہ گنا دشمنانِ خدا پر فتحِ مبین عطا فرمائی۔ قریش کے قریباً ستر آدمی ہلاک اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ میں اسلام کے بدترین دشمن عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی تھے۔ ان کو رسولِ اکرمؐ کے حکم کے مطابق جہنم واصل کر دیا گیا۔ دوسرے قیدی

دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں صحابہ کرام کو تقسیم کر دیئے گئے۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان قیدیوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ جن کے پاس کپڑے نہ ہوں انہیں کپڑے پہناؤ۔ ان کو کھانا کھلاؤ خواہ تمہیں خود بھوکا رہنا پڑے۔ انھیں آرام سے سلاؤ اور ہر طرح ان کی خدمت کرو۔ اسیران جنگ پر رحمت عالمؐ کی نظر کرم فی الحقیقت تاریخ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ ان قیدیوں کو مسلمانوں نے مہمانان عزیز کی طرح رکھا۔ یہاں تک کہ قریش نے فدیہ دے کر ان کو واپس لے لیا۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہ ادا کر سکتے تھے انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے انھیں حکم ہوا کہ اپنے فدیہ میں وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔

لڑائی میں مسلمانوں کے چودہ آدمیوں نے شہادت پائی جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے۔

غزوۂ بدر کی دو خصوصیتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اس غزوہ کا حال رب العزت نے خود قرآن کریم (سورہ انفال) میں تفصیل سے بیان فرمایا۔ دوسری یہ کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طریقوں سے تائید و نصرت فرمائی۔ ہماری مراد نزول ملائکہ اور مسلمانوں کی تعداد کو کفار کی نظر میں دو گنا دکھانے سے ہے۔ آل عمران میں اس کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۝ (وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے) نزول ملائکہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن ملائکہ سفید عمامے باندھ کر نازل ہوئے جن کے شملے پیچھے کی طرف تھے۔

غزوۂ بدر فی الحقیقت شوکتِ اسلام کا سنگِ بنیاد تھا۔ مسلمانوں کی فتح مبین قریش کے اقتدار پر کاری ضرب کی حیثیت رکھتی تھی۔ مکہ معظمہ میں ہزیمت کفار کی خبر سے کہرام مچ گیا اور گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص ماتم و شیون نہ کرے اور اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی تیاری کرے۔ قریش کا یہی جوشِ انتقام جنگِ احد کا سبب بنا۔

بیعتِ رضوان

(۱)

جنگِ احد اور احزاب میں شرکت

جنگِ بدر کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غزوات و سرایا پیش آئے ان میں غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب (خندق) خاص اہمیت اور شہرت رکھتے ہیں۔ ان دونوں غزوات میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی شرکت بالاتفاق ثابت ہے۔ جنگِ احد میں حضرت ابو ایوبؓ کی فداکاریوں کی تفصیل کتبِ سیر و تاریخ میں نہیں ملتی البتہ ان کے کئی دوسرے (انصاری) بھائی بندوں کی عزیمت و استقامت اور سرفروشی کی داستانیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا رُخ بدل گیا اور مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ فرزندانِ توحید کے ستر آدمی شہید ہوئے جن میں سرورِ کونینؐ کے جان نثار چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مواخاتی بھائی حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شامل تھے۔ شہداء میں ۴ مہاجر اور ۶۶ انصار تھے۔ رحمتِ دو عالم خود اس

جنگ میں زخمی ہو گئے لیکن حضورؐ کی شانِ عفو و کرم کا یہ عالم تھا کہ کفار کے حق میں بددعا کرنے کی بجائے آپ نے فرمایا اللھم اغفر قومی فانھم لا یعلمون۔ (الہٰی میری قوم کو بخش دے وہ نادان ہے) یہ جنگ ۷ شوال ۳ھ کے دن پیش آئی۔

ماہ ذوالقعدہ ۵ ہجری میں پرستارانِ حق کو احزاب (خندق) کی ہولناک جنگ پیش آئی۔ ۴ھ کو رسول کریمؐ نے یہود مدینہ (بنونضیر) کو ان کی مسلسل شرانگیزی کی وجہ سے مدینہ سے خارج کر دیا تھا۔ بنونضیر خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے وہاں انہوں نے فرزندانِ توحید کے خلاف ایک وسیع اور خوفناک سازش کی اور اپنے ساتھ قریشِ مکہ اور قبائل غطفان، بنوسعد، بنوسلیم، بنو اسد وغیرہ کو ملا کر چوبیس ہزار جنگجوؤں کا لشکر جمع کر لیا۔ یہ لشکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ ابوسفیان کی قیادت میں مسلمانوں کے استیصال کے لیے مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ کے مطابق مدینہ کے غیر محفوظ گوشے کی طرف خندق کھودنے کا اہتمام کیا۔ ذاتِ رسالت مآبؐ کے ساتھ تین ہزار صحابہ کرامؓ نے جن میں حضرت ابوایوب انصاری بھی شامل تھے۔ اس کام میں حصہ لیا اور پندرہ یا بیس دن میں خندق تیار ہو گئی۔ اس خندق کی کھدائی کے وقت چشمِ فلک نے عجیب رقت انگیز منظر دیکھے۔ سالارِ انبیاء فخرِ موجوداتؐ صحابہؓ کے ہمراہ خود مزدوروں کا لباس پہنے ہوئے خندق کھودتے تھے اور زبان مبارک پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے یہ رجزیہ اشعار جاری ہوتے تھے

اللھم لولا انت ما اھتدینا

الہٰی تیرے سوا ہم کو ہدایت کہاں تھی

فَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
ہم کیسے تیری نمازیں پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
الٰہی ہم پر سکینہ کا نزول فرما
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی کی توفیق دے
إِنَّ الْأَعْدَاءَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
یہ دشمن ہم پر خواہ مخواہ ظلم سے چڑھ آئے ہیں
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا
وہ فتنہ پرداز ہیں اور ہمیں فتنہ کی بات نہیں بھاتی

صحابۂ عظام خندق کھودتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا
عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنھوں نے ہمیشہ کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی ہے)
خندق کھودتے وقت (اور بعد میں محاصرہ کے دوران) مسلمانوں پر دو دو تین تین دن کے فاقے گزر جاتے تھے۔ وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے لیکن منہ سے اف نہیں کرتے تھے۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ لوگوں نے ایک دن حضورؐ کو اپنے شکم کھول کر دکھائے۔ ان پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹایا تو اس پر ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

کفار نے مدینہ کے قریب پہنچ کر خندق کو اپنے راستے میں حائل پایا تو انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

مدینہ کے یہود بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن اس موقع پر غداری کر کے وہ بھی دشمنوں سے مل گئے۔ اور مسلمانوں کے مصائب میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ کفار خندق کے پار سے مسلمانوں پر تیر برساتے تھے اور سنگباری کرتے تھے۔ حضورؐ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ بیس بائیس دن تک کفار کا محاصرہ قائم رہا اس اثناء میں انہوں نے ایک دن مسلمانوں پر عام حملہ کیا اور ان کے چند نامی بہادروں نے خندق کو عبور کر لیا۔ مسلمانوں نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور کفار کو پسپا کر دیا۔ اس حملہ میں کفار کے دو نامور بہادر عمرو بن عبدِ وُد اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوئے۔ محاصرے کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا۔ کفار کے حوصلے پست ہوتے جاتے تھے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے اسباب پیدا کئے کہ محاصرین میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور پھر ایک رات کو ایک خوفناک طوفانِ باد نے کفار کو گھیر لیا۔ ان کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور کھانے کے برتن چولہوں پر سے الٹ گئے۔ خوفناک تاریکی اور سردی اس پر مستزاد تھی۔ کفار میں اب محاصرہ جاری رکھنے کا یارا نہ رہا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (احزاب)

(ترجمہ: اے مسلمانو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آپڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو نظر نہیں آتی تھیں۔)

(۲)

بیعتِ رضوان جنگِ بدر۔ احد اور احزاب کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کو جو سب سے بڑا شرف حاصل ہوا وہ آپ کا بیعت رضوان میں شرکت کرنا تھا۔ "بیعتِ رضوان" تاریخ اسلام کا ایک مہتمم بالشان واقعہ ہے۔ جو صحابہ کرامؓ اس بیعت میں شریک ہوئے انہیں "اصحابِ شجرہ" کے نام سے پکارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ بیعت رضوان میں ان جلیل القدر ہستیوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود راہ حق میں جس فداکاری اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا تاریخ عالم میں اس کی مثالیں ناپید ہیں

حضرت ابوایوب انصاریؓ صاحب بدر بھی تھے اور صاحب شجرہ بھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس ایمان افروز واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا جائے۔

یکم ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری کو سرور کائناتؐ نے حج کا ارادہ فرمایا اور چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قربانی کے ستر اونٹ بھی ساتھ لے لئے اور اس خیال سے کہ مسلمانوں کی اتنی عظیم جمعیت کو دیکھ کر قریش مکہ کے دل میں کوئی اور شک نہ گزرے۔ حضورؐ نے عمرہ کا احرام باندھا اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھو اور تلوار بھی نیام میں ہو۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر سرور کائناتؐ اور صحابہ کرامؓ نے عمرہ کا احرام باندھا۔ ادھر قریش مکہ کو مسلمانوں کی آمد آمد کی خبر پہنچی۔ تو وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضورؐ نے بشر بن سفیان خزاعیؓ کو (جن کے اسلام لانے کا حال اہل مکہ کو معلوم نہ تھا) مکہ کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ بشرؓ مکہ سے واپس آکر مقام عسفان میں حضورؐ سے ملے اور عرض کی:۔

"یارسول اللہ قریش مکہ مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

حضورؐ یہاں سے آگے بڑھ کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچے اور وہاں ٹھہر گئے۔ حدیبیہ کے پاس ایک کنواں تھا جس میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ حضورؐ نے اپنا لعاب دہن کنوئیں میں ڈال دیا[1] اور پانی کی فراوانی کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کنوئیں کو پانی سے لبریز کر دیا۔

دو دن کے بعد قریش مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفیؓ کو (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) سفیر بنا کر مسلمانوں سے یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ وہ کس نیت سے آئے ہیں۔ حضورؐ نے عروہ کو بتایا کہ محض حج کرنے کے لیے آئے ہیں اور لڑائی کا مطلق ارادہ نہیں رکھتے۔ عروہؓ نے واپس جا کر قریش کو حضورؐ کے جواب سے آگاہ کیا اور انھیں حضورؐ سے صحابہ کی والہانہ شیفتگی کے حالات بتا کر یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں سے صلح کر لو۔

عروہؓ کے جانے کے بعد[2] سرور کائناتؐ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو طواف کر لو ہم منع نہیں کریں گے۔ حضرت عثمانؓ فرمایا۔ "میں سرور کائناتؐ اور دوسرے مسلمانوں کے بغیر ہرگز طواف نہ کرونگا۔"

---

[1] ایک دوسری روایت کے مطابق حضورؐ نے حضرت براء بن عازبؓ کو ایک تیر دے کر فرمایا کہ اسے کنوئیں میں ڈال دو۔ حضرت براءؓ نے جونہی تیر کنوئیں میں ڈالا وہ پانی سے لبالب بھر گیا۔

[2] بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمانؓ قریش کے پاس پہلے گئے اور عروہؓ بعد میں قریش کی طرف سے مسلمانوں کے پاس آئے۔

قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکین مکہ نے شہید کر ڈالا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم عثمان کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

صحابہ کرامؓ اگرچہ بے سروسامان تھے لیکن سب نے حضورؐ کے ارشاد پر لبیک کہا۔ حضورؐ ایک درخت "سمرہ" کے نیچے بیٹھ گئے اور مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک جان میں جان ہے کفار سے لڑیں گے اور قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔

تمام صحابہ کرامؓ نے نہایت ذوق و شوق سے جان نثاری کی بیعت کی۔ تاریخ اسلام میں یہی بیعت "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ	اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ	بیعت کرتے تھے (اے رسول) تم سے
الشَّجَرَةِ ۔ (سورہ فتح)	درخت کے نیچے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی ان چودہ سو صحابہ کرام میں شامل تھے جو بیعت رضوان سے مشرف ہوئے۔

(۳)

صلح حدیبیہ

قریش مکہ کو جب اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ مرعوب ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔ حضرت عثمانؓ کو زندہ دیکھ کر مسلمانوں کو بیحد مسرت ہوئی۔ اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو (جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے) سفیر بنا کر مسلمانوں کے پاس بھیجا کہ صلح کی

شرائط طے کی جائیں۔ حضورؐ اور سہیلؓ کے درمیان کچھ دیر گفتگو ہوئی اور پھر مندرجہ ذیل شرائط صلح طے ہو گئیں۔

۱۔ مسلمان اس سال حج نہیں کریں گے البتہ آئندہ سال حج کے لیے مکہ میں داخل ہو سکیں گے۔ وہ بھی اس حالت میں کہ نیام میں ڈالی ہوئی تلوار کے سوا کسی مسلمان کے پاس کوئی اور ہتھیار نہ ہو گا۔ اور ان کو تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہو گی۔

۲۔ مسلمانوں اور ان کے حلیفوں، اور اہل مکہ اور ان کے حلیفوں کے درمیان دس سال تک صلح رہے گی۔

۳۔ قریش کا کوئی آدمی اگر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو مسلمانوں کو اسے واپس کرنا ہو گا۔ لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی اگر قریش کے ہاتھ آ گیا تو وہ مسلمانوں کو واپس نہ کیا جائے گا۔

آخری شرط صحابہ کرامؓ پر بہت گراں گزری۔ حضرت عمر فاروقؓ بے تاب ہو کر رسول اکرمؐ سے عرض پیرا ہوئے۔ "یا رسول اللہ کیا آپ پیغمبر خدا نہیں ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "بیشک ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ "یا رسول کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "کیوں نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ تو پھر ہم دب کر کیوں صلح کریں۔"

حضورؐ تبسم ہوئے اور فرمایا۔ "اللہ کا حکم اور مصلحت اسی میں ہے۔"

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حکم دیا کہ وہ معاہدہ صلح کو احاطۂ

تحریر میں لائیں۔

حضرت علیؓ نے معاہدہ قلم بند کرتے وقت سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔

سہیل نے کہا "ہم نہیں جانتے رحمٰن کسے کہتے ہیں اس کی بجائے قدیم دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھو۔

حضورؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھ دو۔

پھر جب حضرت علیؓ نے لکھا "یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین ہوا ہے۔" تو سہیل نے اعتراض کیا۔ "اگر ہم محمدؐ کو اللہ کا رسول مان لیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائے محمدؐ بن عبداللہ لکھو۔"[1]

حضورؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح لکھ دو

---

[1] یہی سہیل بن عمروؓ جو بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللہ لکھنے پر معترض ہوئے فتح مکہ کے بعد برضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔ قبول اسلام سے پہلے وہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ ان کے دو سلیم الفطرت بیٹوں ابوجندلؓ اور عبداللہ نے اسلام قبول کر لیا تو ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ دین حق کی مخالفت میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ کا عفو و کرم دیکھ کر دل موم ہو گیا۔ حضورؐ جب غزوہ حنین سے واپس ہوئے۔ تو سہیلؓ جعرانہ کے مقام پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ اب وہ اسلام کے ایک جان نثار سپاہی تھے۔ جب سرور کائنات نے رحلت فرمائی تو سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سہیل نے

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ شمع رسالت کے پروانے تھے عرض کی "یا رسول اللہ میری کیا مجال ہے کہ میں رسول اللہ کا لفظ مٹاؤں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "اچھا مجھے دکھاؤ یہ لفظ کہاں لکھا ہے۔" حضرت علیؓ نے اس پر انگلی رکھ دی۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔

جب معاہدہ کی آخری دفعہ لکھی جا رہی تھی۔ تو ایک نہایت دردناک واقعہ پیش آیا۔ سہیل بن عمرو کے سعید الفطرت صاحبزادے ابو جندلؓ نے دعوتِ حق کے آغاز میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ سہیل نے برافروختہ ہو کر انھیں پابند سلاسل کر کے قید میں

صرف خود ثابت قدمی سے اسلام پہ قائم رہے بلکہ انہوں نے دوسرے قبائل کو بھی مرتد ہونے سے روکنے کے لیے جان توڑ کوششیں کیں۔ مکہ میں انہوں نے ارتداد کے آثار نمودار ہوتے دیکھے تو لوگوں کو جمع کر کے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ اس تقریر سے اہلِ مکہ کے دلوں میں اسلام راسخ ہو گیا۔ اور وہ ارتداد کی خوفناک آندھیوں میں اسلام پہ ثابت قدمی سے جمے رہے۔ اسی سلسلہ میں یمامہ کی مشہور جنگ پیش آئی۔ حضرت سہیلؓ کے صاحبزادے عبداللہ اس جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت سہیلؓ نے بیٹے کی شہادت کی خبر نہایت صبر و سکون کے ساتھ سنی اور فرمایا۔ "میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ شہید اپنے خاندان کے ستر لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ مجھے امید ہے کہ میری سب سے پہلے شفاعت کی جائے گی۔"

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے شام پہ فوج کشی کی تو حضرت سہیلؓ شوقِ شہادت دل میں لیے لشکرِ مجاہدین میں شامل ہو گئے اور کئی معرکوں

ڈال دیا تھا اور وہ کئی سال سے اپنے باپ اور دوسرے مشرکین کے ظلم و ستم سہہ رہے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ کسی طرح زندانِ بلا سے نکل بھاگے اور سیدھے سرورِ کائنات ؐ کی خدمت میں آ پہنچے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور سارا جسم کفّار کی مار کے نشانات سے داغدار تھا۔ مسلمان ابوجندلؓ کی مظلومانہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ سہیل نے کہا "محمدؐ اس معاہدہ کی شرائط پوری کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ ابوجندلؓ کو میرے حوالے کر دو۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ابھی معاہدہ پوری طرح قلمبند نہیں ہوا جب اس پر میرے اور تمہارے دستخط ثبت ہو جائیں گے تو اس کی کسی شرط کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔"

سہیل نے بگڑ کر کہا۔ "اگر ابوجندل میرے حوالے نہ کیا گیا تو ہم کو اس معاہدہ کی کوئی شرط بھی منظور نہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ابوجندلؓ کو میرے پاس ہی رہنے دو۔"

سہیل نے صاف انکار کر دیا۔ آخر حضورؐ نے کچھ دیر سکوت فرمایا اور پھر ابوجندلؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

میں نہایت پامردی سے لڑے۔ شام کی فیصلہ کن جنگ یرموک میں وہ فوج کے ایک دستہ کے افسر تھے۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ ایک لڑکی اور ایک پوتی کے سوا سارے گھرانے کو میدانِ جہاد میں لے گئے تھے۔ ان کی اولاد نے راہِ حق میں سر کٹا دیئے اور وہ اللہ کی رضا پر شاکر رہے۔ ۱۸ھ میں شام میں طاعون کی وبا پھیلی تو عمواس کے مقام پر انہوں نے بھی دوسرے ہزارہا مجاہدین کے ساتھ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

یا ابا جندل اصبروا حتسب فان اللہ جاعلک ولمن معک من المستضعفین فرجا و مخرجا انا قد عقدنا صلحا وانا لا تغدربھم

(اے ابوجندلؓ صبر اور ضبط سے کام لو۔ اللہ تعالےٰ تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے کوئی صورت پیدا کریگا۔ بہرحال اب صلح ہو چکی اور ہم بدعہدی نہیں کر سکتے)

غرض اسی طرح ابوجندلؓ کو پابجولاں واپس جانا پڑا۔ سہیل نے مکہ پہنچ کر ابوجندلؓ کو پھر زندانِ بلا میں ڈال دیا۔ جو شخص ان کی نگرانی پر مامور ہوتا وہ اسے نہایت مؤثر انداز میں دعوت حق دیتے۔ اللہ تعالیٰ اسے راہِ ہدایت دکھا دیتا۔ اور وہ بھی تبلیغ حق میں کوشاں ہو جاتا اس طرح بیسیوں آدمی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان دنوں قبیلہ بنی ثقیف کے ایک اور عاشق اسلام ابوبصیر عتبہ بن اسید بھی کفار مکہ کی قید محن میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے انہوں نے بھی دعوت حق کے آغاز میں دامن توحید تھام لیا تھا اور مشرکین کا ہدف ستم بن گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ایک دن وہ موقع پاکر کفار کی قید سے بھاگ نکلے اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں جا پہنچے۔ قریش مکہ نے دو آدمی انہیں واپس لانے کے لیے مدینہ بھیجے۔ حضورؐ نے معاہدہ کے مطابق ابوبصیرؓ کو قریش کے آدمیوں کے ساتھ واپس جانے کی ہدایت فرمائی۔ ابوبصیرؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ آپ مجھے پھر مشرکین کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھے راہ حق سے برگشتہ کریں"۔

حضورؐ نے فرمایا "ابوبصیر جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور دوسرے

مصیبت زدہ مسلمانوں کے لیے کوئی صورت پیدا کر دیگا۔"

ابوبصیرؓ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں قریش کے آدمیوں کے ساتھ چل پڑے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر ان کے دونوں نگران کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ ابوبصیر نے ایک سے کہا۔ "بھائی برادر تمہاری یہ تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔" تلوار کا مالک اپنی تلوار کی تعریف سن کر بہت خوش ہوا۔ اور کہا "بلاشبہ یہ تلوار بہت ہی اچھی ہے اور میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔"

ابوبصیر نے کہا۔ "ذرا دکھانا تو۔"

اس نے جھٹ تلوار نیام سے کھینچی اور ابوبصیرؓ کے ہاتھ میں دے دی۔ ابوبصیرؓ نے اسی تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔ دوسرا شخص خوفزدہ ہو کر مدینہ بھاگ گیا اور حضورؐ کے پاس پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ اتنے میں ابوبصیرؓ بھی مدینہ آ پہنچے اور سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ "یا رسول اللہ آپ نے معاہدہ کی شرط پوری کر دی۔ اللہ نے مجھے ہمت دی کہ میں آزاد ہو گیا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ابوبصیر جنگ کے شعلے بھڑکانے والا ہے بشرطیکہ اسے چند مددگار مل جائیں۔"

ابوبصیرؓ نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے تو انھیں یقین ہو گیا کہ مدینہ میں میرا رہنا ممکن نہیں۔ چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور ساحلِ سمندر کے قریب ایک مقام عیص کو اپنا مسکن بنا لیا۔ قریش کے آدمی نے مکہ جا کر تمام حالات بیان کیے۔ مشرکین دانت پیس کر رہ گئے۔ ابوجندلؓ کے کانوں میں بھی اس واقعہ کی بھنک پڑ گئی۔ ایک دن موقع پا کر قید سے بھاگ نکلے اور سیدھے ابوبصیرؓ کے پاس

"عیص" جا پہنچے۔ اب دوسرے بلاکشانِ اسلام کے لیے بھی راستہ کھل گیا جسے موقع ملتا سیدھا عیص پہنچتا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ابو بصیرؓ کے پاس ایک مضبوط جتھہ ہو گیا۔ اب انہوں نے مشرکین سے انتقام لینے کی ایک عجیب تجویز سوچی۔ قریش کے تجارتی قافلے اکثر اس راستے سے گزرتے رہتے تھے۔ اب کوئی قافلہ ادھر سے گزرتا تو یہ لوگ اس پر حملہ کر دیتے، اہلِ قافلہ کو قتل کر دیتے اور سامانِ تجارت لوٹ لیتے۔ قریش مکہ ابو بصیرؓ کے چھاپوں سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کی تجارت معرضِ خطر میں پڑ گئی تھی۔ آخر انہوں نے عاجز آکر حضورؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم معاہدہ کی آخری شرط کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ آپ ابو بصیرؓ اور اس کی جماعت کو عیص سے مدینہ بلا لیں تاکہ ہمیں اس مصیبت سے نجات ملے۔ آئندہ سے جو مسلمان بھاگ جائے گا اسے آپ بے شک اپنے پاس ہی رکھیں۔

حضورؐ نے قریش کی استدعا قبول فرمائی اور ابو بصیرؓ کے جتھے کو لکھ بھیجا کہ ابو بصیرؓ اور ابو جندلؓ مدینہ آ جائیں اور باقی لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی[1]۔ هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ

(قرآن مجید)

"ترجمہ:۔ اللہ وہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں دشمنوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے (قابو پانے کے بعد)

---

[1] ایک دوسری روایت کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے حدیبیہ

جب حضورؐ کا فرمانِ مبارک ابوبصیرؓ کو ملا تو وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو فرمانِ نبوی کی تعمیل کی ہدایت کی اور نامۂ اقدس کو سر آنکھوں پر رکھے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت ابوجندلؓ ابوبصیرؓ کو سپردِ خاک کر کے سرورِ کائنات کی خدمت میں مدینہ پہنچے۔ اور رسول اکرمؐ کی رحلت تک مدینہ ہی میں رہے۔ فاروقِ اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں شام کی جنگوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور کئی سال تک جہاد فی سبیل اللہ کرتے رہے۔ سنہ ۱۸ھ میں طاعون کی وبا میں وفات پائی۔

صلح حدیبیہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے موافق نہ تھیں۔ لیکن درحقیقت یہ صلح اشاعتِ اسلام کے لیے بیحد مفید ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی تمام توجہ اشاعت اسلام پر مرکوز کر دی۔ اور ان کی تبلیغی مساعی سے ہزارہا مشرکین دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جن میں حضرت خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن عاصؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں۔ اللہ تعالٰے نے اسی لیے اس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا۔

میں انہی مشرکوں کو گرفتار کیا۔ جو مسلمانوں کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ حضورؐ نے رحم کھا کر ان سب کو رہا کر دیا۔

(۱)

جنگِ خیبر میں شرکت

صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ہجری میں خیبر کی مشہور جنگ پیش آئی۔ خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ یہ عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور یہاں یہودیوں نے باختلاف روایت چھ سات یا دس مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جن میں کئی ہزار یہودی جنگجو رہتے تھے۔

جنگِ احزاب میں ناکامی کے بعد یہودِ خیبر مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے زبردست جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بنو غطفان اور بنو فزارہ کے چار ہزار جنگجوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہودیوں کے پاس بیس ہزار فوج جمع ہو گئی تھی اور وہ مسلمانوں سے ایک خونریز اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ سرورِ کونین ﷺ کو یہودیوں کی جنگی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے دشمن کو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے

کا موقع دینے کی بجائے خود آگے بڑھ کر اس سے نپٹنے کا ارادہ فرمایا۔ اور اعلان عام کر دیا۔

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد۔

(ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں، جو طالبِ جہاد ہوں)

چنانچہ سولہ سو صحابۂ کرام کو جنگِ خیبر میں سرورِ کونینؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا ان طالبانِ جہاد میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس جنگ میں حضورؐ نے صرف اصحابِ شجرہ کو (یعنی ان چودہ سو صحابہ کرام کو جنہوں نے بیعتِ رضوان کی تھی) اپنے ہمراہ لیا۔ حضورؐ خیبر پہنچے تو یہودیوں نے اپنے تمام قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور قلعوں کے اندر سے تیر اور پتھر برسا کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر مسلمانوں نے تمام قلعے فتح کر لیے۔ ان میں قموص کا مضبوط ترین قلعہ شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھ پر فتح ہوا اور اس قلعہ کا رئیس مرحب جو ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ شیرِ خدا کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا۔ خیبر کے معرکوں میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا۔ خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کو گونہ اطمینان ہو گیا۔ اسلام کے شدید دشمن دو ہی تھے۔ قریش اور یہود۔ قریش سے صلح تھی اور یہود کی قوت خیبر میں پاش پاش ہو گئی۔

(۲)

فتح مکہ رمضان المبارک ۸ سنہ ہجری میں فخرِ انبیاء سید الرسل رحمت عالمؐ دس ہزار قدوسیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور کفر و شرک کا

گئے (اس زمانہ کے) مرکزِ عظیم پر علم توحید لہرا دیا اس طرح "کتاب استثناء" کی یہ پیشینگوئی پوری ہو گئی

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہِ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (یعنی نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔"

سرورِ کونینؐ کے دس ہزار قدوسی ساتھیوں میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔ "فتح مکہ" کا مختصر حال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور بنی بکر قریش کا۔ صلح کے ڈیڑھ سال بعد بنی بکر نے بنی خزاعہ پر دفعتاً حملہ کر دیا اور بڑی سنگدلی سے ان کے مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ بنی خزاعہ نے حرم میں پناہ لی لیکن بنو بکر نے وہاں بھی بے دریغ بنی خزاعہ کا خون بہایا۔ قریش معاہدۂ صلح کے مطابق اس بات کے پابند تھے کہ وہ اور ان کے حلیف مسلمانوں اور ان کے حلیفوں کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن اس موقع پر قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کی کھلم کھلا مدد کی۔ بنی خزاعہ نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد عمرو بن سالم کی سرکردگی میں دربارِ رسالت میں بھیجا۔ اس وفد نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر نہایت درد انگیز اشعار کی صورت میں اپنی فریاد پیش کی۔ ان میں سے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اے خدا ہم محمدؐ کو وہ وعدہ یاد دلائیں گے جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندانوں کے مابین ہوا ہے۔ اے اللہ کے رسول ہماری مدد کر اور خدا کے بندوں کو بلا۔ سب اعانت کے لیے حاضر ہوں گے

قریش نے وعدہ خلافی کی اور اس پکے عہد کو جو آپ سے کیا تھا۔ توڑ ڈالا۔

ہمیں خشک گھاس کی طرح روند ڈالا

وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کے لیے کوئی نہیں اٹھے گا وہ تو ذلیل اور قلیل ہیں۔

انہوں نے ہم کو وتیر (بنی خزاعہ کی قیام گاہ) میں سوتے ہوئے جالیا ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔"

حضورؐ بنی خزاعہ کی فریاد سے بہت متاثر ہوئے اور قریش کو پیغام بھیجا کہ مقتولوں کا خون بہا دو یا بنی بکر کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ اگر کوئی شرط منظور نہیں تو اعلان کر دو کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا ہے۔

قریش نے حضورؐ کے قاصد کو نہایت تکبر سے جواب دیا۔

"جاؤ ہم محمدؐ کے محکوم نہیں ہیں جو ہمارے جی میں آیا ہم نے کیا۔"

قاصد نے حضورؐ کو قریش کا جواب سنایا تو آپ نے فرمایا۔ "یہ لوگ اب حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان کی زیادتیاں ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس اثناء میں ابوسفیان نے مدینہ آ کر صلح حدیبیہ کی تجدید کی کوشش کی لیکن اسے ناکام مکہ واپس جانا پڑا۔ حضورؐ نے حلیف قبائل کو بھی بلا بھیجا جب سب آگئے تو آپ دس ہزار جان نثاروں کے ساتھ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو عازم مکہ ہوئے۔ مکہ معظمہ سے تقریباً ایک منزل کے فاصلے پر مرالظہران میں سرفروشان

حق نے پڑاؤ ڈالا۔ لشکرِ اسلام کی آمد کی خبر قریش کو بھی مل گئی اور انہوں نے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو صحیح صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے مرانظہران بھیجا۔ یہ تینوں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ابوسفیان نے اس موقع پر اسلام قبول کر لیا۔ رحمتِ عالمؐ نے اس کی جان بخشی کر کے آزاد کر دیا اور فرمایا کہ مکہ جا کر اعلان کر دو کہ میرا مقصد خونریزی نہیں ہے جو لوگ ہم پر ہتھیار نہیں اٹھائیں گے انہیں کوئی خطرہ نہیں اور جو اپنا دروازہ بند کرے گا وہ پناہ میں ہے اور جو حرم کعبہ میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان ہے حتیٰ کہ جو ابوسفیان کے مکان میں پناہ گزین ہو گا اس سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

ابوسفیان نے مکہ جا کر قریش کو اسلامی افواج کا حال بتایا اور انھیں سرورِ کونینؐ کی اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا دوسرے دن لشکرِ اسلام نہایت شان و شوکت سے مکہ میں داخل ہوا۔ قریش کے ایک گروہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے کا مقابلہ کیا۔ لیکن بہت جلد تیرہ لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ تین مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا۔[1] کوکبۂ نبوی لشکرِ اسلام کے درمیان تھا۔ حضورِ اقدسؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ سرِ مبارک جھکا ہوا تھا اور اس پر سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا۔ زبانِ پاک پر سورۂ فتح کی آیات تھیں۔

حضورؐ نے کعبہ کے دروازے پر پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا پھر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس کو تمام بتوں اور دوسری آلائشوں سے پاک کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے ایک مؤثر خطبہ دیا۔ خطبے کے بعد مجمع پر نظر ڈالی تو اس میں قریش کے وہ تمام دشمنانِ اسلام موجود تھے جنھوں نے

---

[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ کفار کے ۲۸ آدمی مارے گئے اور دو مسلمان شہید ہوئے۔

آپؐ کو اور دوسرے فرزندانِ توحید کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"

ان لوگوں نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔"

رحمتِ دو عالمؐ نے فرمایا:۔

"تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔" (صلی اللہ علیہ وسلم)

سرورِ کونینؐ کے اس بے مثال حسن سلوک کا قریش پر یہ اثر ہوا کہ ان کے تقریباً سبھی زن و مرد اسی دن حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

(۳)

جنگِ حنین مکہ اور طائف کے درمیان بنو ثقیف اور بنو ہوازن کے قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل بڑے جنگجو اور سرکش تھے۔ فتح مکہ کے بعد ان لوگوں نے اسلام کی طرف مائل ہونے کی بجائے سرکشی پر کمر باندھی اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تل گئے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے زور و شور سے جنگ کی تیاری کی اور ایک جرار لشکر کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کا قصد کیا اور وادی حنین میں آ کر پڑاؤ ڈالا۔ سرورِ کونینؐ کو ان کے عزمِ فاسد کی اطلاع ملی تو آپ بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ (جن میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شامل تھے۔) ان کے مقابلے کے لیے بڑھے۔ اسلامی فوج میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ مکہ سے روانہ ہوتے وقت مسلمانوں کو اپنی قوت اور کثیر تعداد پر غرور تھا۔ کچھ لوگوں کے منہ سے نکل گیا "آج ہم پر کون

کون غالب آسکتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ نازش پسند نہ آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی معرکے میں مسلمان کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ سرورِ کونین ؐ اور چند دوسرے جانبازوں کے سوا سب کے قدم اکھڑ گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دشمنوں نے میدانِ جنگ میں پہلے پہنچ کر مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ یہ لوگ بلا کے قدر انداز تھے۔ جونہی مسلمان ان کی زد میں آئے انہوں نے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا۔ لشکرِ اسلام کے ہراول دستہ میں زیادہ تر مکہ کے نومسلم تھے وہ لوگ ثابت قدم نہ رہ سکے اور سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے ان کی حواس باختگی کا اثر دوسرے مسلمانوں پر بھی پڑا اور ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ حضورؐ اس وقت کوہِ استقامت بن کر میدانِ جنگ میں کھڑے تھے اور بآوازِ بلند فرما رہے تھے

انا النبی لا کذب — میں نبی ہوں اور اس میں اصلا جھوٹ
انا ابن عبد المطلب — نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

عم رسول ؐ حضرت عباسؓ قریب ہی تھے حضورؐ نے انھیں حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔

حضرت عباسؓ نے نہایت بلند آواز سے نعرہ مارا یا معشر الانصار (اے گروہِ انصار) یا اصحاب الشجرہ (اے اصحاب شجرہ) یہ آواز سنتے ہی سارا لشکرِ اسلام دفعتاً پلٹ پڑا اور اس جوش و وارفتگی سے لڑا کہ لشکرِ کفار کے پرخچے اڑ گئے۔ کفار کے بلیشان آدمی مارے گئے اور چھ ہزار کے قریب قیدی بنا لئے گئے (ان سب کو بعد میں سرورِ عالم نے بغیر کسی فدیہ کے آزاد کر دیا۔) اس جنگ میں نہایت کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ

آیا۔ اسیران جنگ میں رسول کریمؐ کی رضاعی بہن حضرت شیماءؓ بھی تھیں۔ ان کو حضورؐ کے سامنے لایا گیا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے اپنی چادرِ مبارک بچھا کر شیماءؓ کو بٹھایا۔ اس کے بعد کچھ اونٹ اور بکریاں دے کر نہایت عزّت و احترام سے انھیں رخصت کیا

(۴)

انصارؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

جنگ حنین کے بعد حضورؐ نے غنائم جنگ سے زیادہ حصہ قریش کے نو مسلموں کو دیا کیونکہ ان کی تالیفِ قلوب مقصود تھی۔ انصار کے بعض نوجوان اس حکمتِ نبوی کو نہ سمجھے اور انہوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ ابھی تک ہماری تلواروں سے مشرکین کا خون ٹپکتا ہے لیکن مالِ غنیمت سارا قریش ہی لے گئے۔

حضورؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے تمام انصارؓ کو ایک جگہ جمع کیا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ اے گروہِ انصار کیا تم نے واقعی یہ کہا کہ قریش ہماری تلواروں سے مغلوب ہوئے لیکن مالِ غنیمت کا وافر حصہ قریش ہی کو دیا گیا؟"

انصارؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ فی الواقع ہمارے بعض نوجوانوں نے ایسی باتیں کہی ہیں لیکن ہم میں سے کسی سمجھ دار اور ذمہ دار آدمی کے منہ سے ایسی بات نہیں نکلی"۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "یا معشر انصار کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے میں نے تمہیں کفر و شرک کی بھول بھلیوں سے نکال کر طریقِ حق پر لایا اور جنت کا مستحق بنایا۔ تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے میں نے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے میں نے

تم کو تونگر کیا تم قبائلِ عرب میں حقارت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے ہیں نے تمھیں عزت دی۔" —

رسول کریمؐ کے ہر ارشاد پر انصارؓ بے ساختہ کہتے جاتے تھے۔" بلشیک اللہ اور اس کے رسول کا احسان بہت بڑا ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا" تم بھی اپنے احسانات بیان کرو۔"

انصارؓ نے عرض کی " یا رسول اللہ ہم کیا عرض کریں "

حضورؐ نے فرمایا۔" تم کہو تجھے اپنے گھر سے نکالا گیا ہم نے اپنے گھر میں پناہ دی۔ تیرا کوئی مددگار نہیں تھا ہم نے تیری مدد کی۔ تو محتاج تھا ہم نے تجھے غنی کیا ساری دنیا نے تجھے جھٹلایا ہم نے تیری صداقت کی دل و جان سے گواہی دی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ گے اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن اے گروہِ انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ بکریاں اور مال و دولت اپنے گھروں کو لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔"

رسول کریمؐ کے ارشادات سن کر انصارؓ کے قلب جگر کے ٹکڑے اڑ گئے روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور بے اختیار پکار اٹھے " ہم کو صرف محمد رسول اللہؐ درکار ہیں۔"

پھر حضورؐ نے فرمایا" انصار میرے ہیں اور میں انصار کا ہوں۔ اے اللہ انصار اور انصار کے لڑکوں پر رحم فرما" پھر فرمایا قریش کو اس لیے زیادہ مال دیا گیا ہے کہ ان کی تالیفِ قلب ہو جائے کیونکہ ابھی وہ جدید الاسلام ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا حق زیادہ ہے۔"

انصارؓ سرورِ کائناتؐ کی معیت میں اپنے گھروں کو لوٹے تو فرطِ مسرت سے ان کے قدم زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔

حیدرِ کرارؓ کی پُرجوش رفاقت

(۱)

وصالِ نبویؐ کے بعد ۱۱ھ ہجری میں سرورِ کونینؐ نے رحلت فرمائی۔ حضورؐ کے وصال کے فوراً بعد رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ کے وسیع مکان سقیفہ بنی ساعدہ میں (جو انصار کا دارالندوہ تھا) انصار کا اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک پُرجوش تقریر کی۔ جس میں انصار کی سبقت فی الدین اور راہِ حق میں قربانیاں بیان کیں اور ان کی بناء پر انصارؓ کو خلافت کا مستحق ٹھہرایا۔ انصارؓ کی ایک کثیر تعداد نے حضرت سعد بن عبادہؓ کے خیالات کی تائید کی۔ لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ مہاجرینؓ کے دعوئے خلافت کا جواب ہم کیا دیں گے۔ مہاجرینؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچ گئے۔ یہاں انصارؓ و مہاجرینؓ دونوں نے پُرجوش الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انصارؓ کے ایک گروہ جس کے ترجمان حضرت حباب بن

المنذر انصاریؓ تھے یہ رائے دی کہ ایک امیر مہاجرین سے ہو اور ایک انصارؓ سے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے مہاجرین نے ان کی رائے کو رد کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر ایک مؤثر خطبہ دیا جس میں انصار کے محامد کا اعتراف کیا اور پھر مہاجرین کے فضائل اور حقوق خلافت بیان کیے۔ ان کا خطبہ ختم ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے صدیق اکبرؓ کے فضائل بیان کیے اور کہا کہ وہ ان فضائل کی بناء پر انصار و مہاجرین میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر یکبارگی اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور سب لوگ صدیق اکبرؓ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔

اس موقع پر حضرت ابوایوب انصاریؓ کی رائے سب سے جداگانہ تھی۔ ان کی نظر میں قبیلہ یا نسل کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ انہوں نے اپنے قبیلہ خزرج کے

لہ حضرت حباب بن المنذر انصاریؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا تعلق خاندان خزرج سے تھا۔ ہجرت سے قبل ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ جنگِ بدر، احد، خیبر اور حنین میں مجاہدانہ شرکت کی۔ شاعری میں بھی ملکہ رکھتے تھے ان کے کئی اشعار کتب سیر میں محفوظ ہیں۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں وہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے زبردست حامی تھے۔ لیکن پھر اپنی رائے میں لچک پیدا کر کے رائے دی کہ ایک امیر انصاری ہو اور ایک مہاجر۔ اس موقع پر ان کی پرزور تقریریں تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کے دعوئے خلافت کو تسلیم کرنے کی بجائے مہاجرین کو مستحق خلافت ٹھہرایا۔ اور پھر مہاجرین سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و محامد بیان کئے اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ قاتل کفار حضرت اسد اللہ الغالبؓ کی بیعت کریں۔ اگرچہ جمہور مسلمین نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مشورہ کو قبول نہ کیا تاہم ان کی نیک نیتی پر کسی کو شک نہ تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ ان چند صحابہ کرامؓ میں (جن کی تعداد بعض مورخین نے بارہ لکھی ہے) شامل تھے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت میں کچھ عرصہ توقف کیا۔ بعد میں جب انہوں نے بیعت کر لی تو کسی کے دل میں ان کے خلاف ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔

(۲)

مسلمانوں کی امامت

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت سعد قرظؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مسجد نبوی میں تشریف لا کر نماز پڑھائیں کیونکہ حضرت عثمانؓ محاصرہ کی وجہ سے مکان سے باہر نہیں نکل سکتے۔ شیر خداؓ نے خود نماز پڑھانے سے معذوری کا اظہار کیا اور فرمایا خالد بن زید سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ خالد بن زید حضرت ابو ایوبؓ کا نام تھا۔ "تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ اس دن لوگ پہلی مرتبہ حضرت ابو ایوب کے اصل نام سے آگاہ ہوئے ورنہ پہلے وہ لوگوں میں اپنی کنیت ہی سے مشہور تھے۔ چنانچہ حضرت ابو ایوبؓ کئی دن تک مسجد نبوی میں مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔

(۳)

وظیفہ اور اعزاز میں اضافہ

شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت ابو ایوبؓ کا سالانہ وظیفہ (پانچ ہزار درہم جو انھیں عہدِ فاروقی سے بدری صحابی ہونے کی وجہ سے ملتا تھا) بڑھا کر بیس ہزار درہم کر دیا۔ ان کو بارگاہِ خلافت سے آٹھ غلام بھی ملے ہوئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ان کی تعداد بڑھا کر چالیس کر دی۔

(۴)

امارتِ مدینہ

خلافتِ مرتضوی کے آغاز میں حضرت سہل بن حنیف انصاریؓ[۱] مدینہ کے امیر تھے۔ ۳۶ھ ہجری میں حضرت علی مرتضیٰ نے ان کو کوفہ بلوا لیا اور مدینہ منورہ کی امارت پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو مقرر فرمایا۔ اکثر روایات میں ہے کہ جنگِ جمل اور صفین کے وقت آپ مدینہ کے امیر تھے۔ لیکن استیعاب میں ہے کہ وہ جنگِ جمل اور صفین میں

---

[۱] حضرت سہل بن حنیفؓ قبیلہ اوس سے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ انھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مواخاتی بھائی بنایا گیا تھا لیکن دوسرے مورخین نے حضرت علیؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواخاتی بھائی تحریر کیا ہے۔ حضرت سہلؓ نے جنگِ بدر اور احد میں مجاہدانہ شرکت کی۔ حضرت علی مرتضیٰ کے عہدِ خلافت میں مدینہ، بصرہ اور فارس کے امیر رہے۔ ۳۸ھ میں وفات پائی۔ نہایت شجاع اور خوبرو تھے۔

حضرت علیؓ کی طرف سے شریک ہوئے۔ استیعاب کے الفاظ یہ ہیں:-

قال ابن الکلبی وابن اسحٰق شہد ابو ایوبؓ مع علی رضی اللّٰہ عنہ الجمل وصفین وکان مقدمۃ یوم النہروان

(ابن ہشام اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور نہروان کے دن وہ ہراول لشکر کے سالار تھے۔)

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر یہ الفاظ ہیں:-

کان ابو ایوب الانصاری مع علی رضی اللّٰہ عنہ فی حروبہ کلھا

(ابو ایوب انصاریؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام لڑائیوں میں ان کے ساتھ تھے)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ جنگِ جمل اور صفین میں شریک ہوئے ہوں یا نہیں لیکن خارجیوں کے خلاف نہروان کی مشہور جنگ میں ان کی شرکت تمام مورخین کے نزدیک مسلم ہے۔

(۵)

جنگِ نہروان

۳۷ھ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور امیر معاویہؓ کے درمیان صفین کی افسوسناک جنگ پیش آئی۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد جنگ ملتوی ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ دونوں فریق اپنا اپنا ایک نمائندہ (حَکَم) مقرر کریں یہ نمائندے جس کے حق میں فیصلہ کریں وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو۔ چنانچہ دونوں طرف سے سربرآوردہ اشخاص نے اس معاہدہ کو تحریری صورت میں لاکر اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ "تحکیم" کے نام

سے مشہور ہے۔ تحکیم کے نتیجہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور امیر معاویہؓ کے اختلافات
تو کم نہ ہو سکے۔ البتہ مسئلۂ تحکیم حیدر کرارؓ کی فوج میں تفریق و اختلاف کا سبب ضرور
بن گیا۔ لشکرِ حیدری میں ایک معتدبہ جماعت نے تحکیم کو سخت ناپسند کیا۔ اس جماعت
میں قبائل بنو تمیم۔ مراد۔ راسب۔ عنزہ وغیرہ کے ہزاروں لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ
تاریخ میں "خوارج" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ خدا کے سوا اور
کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور جو شخص بھی تحکیم سے تعلق رکھے (یعنی آدمیوں کو حَکَم بنائے)
وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ صفین سے کوفہ واپس تشریف
لائے تو خارجی عقیدہ کے لوگ آپ کی بیعت سے الگ ہو گئے اور عبداللہ بن وہب
الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کر کے نہروان میں جمع ہوئے۔ یہاں انہوں نے اپنے عقیدہ
کے مخالف کئی بیگناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا۔ ادھر
حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ شام پر لشکر کشی کی تیاریوں میں مصروف تھے آپ نے
خوارج کو دعوت دی کہ اپنے فاسد عقائد سے توبہ کر کے میرے لشکر میں شامل ہو
جاؤ۔ لیکن خوارج نے سرکشی کی راہ اختیار کی۔ چار و ناچار حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ
کو روانگی شام سے پہلے اس فتنہ کے انسداد کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اور آپ نے
اپنا لشکر نہروان کی طرف بڑھایا۔ نہروان پہنچ کر آپ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ
اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاریؓ کو افہام و تفہیم کے لیے خارجیوں
کے پاس بھیجا۔ دونوں بزرگوں نے خوارج کو راہِ راست پر لانے کی مقدور بھر
کوشش کی لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ جب دونوں بزرگ اپنے لشکر میں واپس
آئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے خارجیوں کے ایک بااثر سردار ابن الکوا کو بلا

بھیجا۔ جب وہ آیا تو شیرِ خداؓ نے اسے جنگ کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا اور تلقین کی کہ وہ لوگ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز آ جائیں اور تائب ہو کر خلافتِ راشدہ کی فوجوں میں شامل ہو جائیں۔ ابن الکواء پر شیرِ خداؓ کے ارشادات کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر مجبور ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ کی تیاری کی۔ میمنہ کا افسر حضرت حجر بن عدیؓ کو مقرر فرمایا اور میسرہ کا حضرت شبث بن ربعیؓ کو اسی طرح پیادہ فوج پر حضرت ابو قتادہؓ کو اور سواروں (یا بروایتِ دیگر مقدمۃ الجیش) پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو افسر متعین فرمایا۔

لڑائی کے آغاز میں ایک ہزار خارجی توبہ کر کے شیرِ خداؓ کے لشکر سے آملے! اور ایک بڑی تعداد میدانِ جنگ سے کنارہ کشی کر کے ملک کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئی۔ لیکن اب بھی چار ہزار خارجی جنگجو عبداللہ بن واہب الراسبی کی قیادت میں آمادۂ جنگ تھے۔ دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی تو اس گھمسان کا رن پڑا کہ زمین کانپ اٹھی۔ خوارج نہایت شجاعت اور استقلال سے لڑے۔ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر گرتے تھے لیکن وہ میدانِ جنگ سے منہ موڑنے کا نام نہ لیتے تھے۔ ان لوگوں کا فوجِ حیدری کے میمنہ اور میسرہ پر حملہ اس زور کا تھا کہ شیروں کے دل دہلے جاتے تھے۔ لیکن فوجِ حیدری کے جانباز بھی کچھ کم شجاع نہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک کوہِ عزم و ثبات اور پیکرِ تہور و شجاعت بن کر کھڑا تھا۔ انہوں نے خوارج کے منہ پھیر دیئے۔ اس خونریز جنگ میں عبداللہ بن وہب الراسبی کے

کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے کٹ مرے۔ چار سو کے قریب میدان جنگ میں مجروح پائے گئے۔ شیر خدا نے ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کیا اور انھیں مرہم پٹی کے لیے ان کے رشتہ داروں کے سپرد کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ سرور کونین ؐ نے ایک موقع پر اس ہولناک جنگ کی پیشنگوئی فرمائی تھی اور اس میں مقتول ہونے والے ایک خارجی کی علامتیں بھی بتا دی تھیں[1]۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سرور کونین ؐ کا ارشاد مقدس یاد تھا چنانچہ جنگ کے بعد آپ نے مقتولین کے ڈھیر سے اس خارجی کی لاش کو تلاش کرنا شروع کیا۔ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد وہ لاش مل گئی اس میں سرور کونین ؐ کی بتائی ہوئی تمام علامات موجود تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ لاش دیکھ کر فرمایا۔

"اللہ اکبر۔ خدا کی قسم اللہ کے رسول ؐ نے کتنا صحیح ارشاد فرمایا۔"

جنگ نہروان میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے دوسرے جان نثاران علی ؑ کے ساتھ جس جوانمردی اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا وہ ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔ ابن ملجم جس کے دست ستم سے صاحب ذوالفقار ؑ کو جام شہادت پینا پڑا۔ اسی بدبخت گروہ خوارج سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو امیہ کے دور میں بھی خوارج کا بڑا زور رہا۔ اگر بنو امیہ کو مہلب جیسا جری اور ماہر جنگ سپہ سالار خوارج سے نبرد آزما ہونے کے لیے نہ مل گیا ہوتا تو شائد آج تاریخ اسلام کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔

---

[1] صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق اس خارجی کی علامات یہ تھیں کہ اس کا ایک بازو ہاتھ کے بغیر ہوگا۔ بازو کے کنارے ایک چھاتی کی گھنڈی کی طرح ہوگی جس پر سفید بال ہوں گے۔

میدانِ جہاد میں سفرِ آخرت

(۱)

ایک عظیم بشارت

سرورِ کائنات ﷺ ایک دن مشہور صحابیہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بنت ملحان کے گھر دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ فرما رہے تھے۔ یکایک حضورؐ نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں۔ حضرت ام حرامؓ نے پوچھا۔ "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے مسکرانے کا کیا سبب ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "مجھے خواب میں میری امت کے کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے جو سمندر میں جہاز پر سوار تھے اور ان کی شان بادشاہانِ مسند نشین کی سی تھی وہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے۔" حضرت ام حرامؓ نے عرض کی۔ "یا رسول اللہ دعا فرمایئے۔ کہ مجھے بھی ان مجاہدین میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔"

حضورؐ نے حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعا فرمائی اور پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیدار ہوئے تو ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہی خواب زبانِ مبارک پر تھا۔ حضرت ام حرامؓ نے پھر سابقہ دعا کے لیے درخواست کی۔

حضورؐ نے فرمایا "ہاں تم اسی جماعت کے ساتھ ہو"۔
حضرت ام حرامؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے اس موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا

(یعنی میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہو گئی)
ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر سرورِ کونینؐ کے الفاظِ مبارک یہ تھے۔

اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ

(یعنی میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کریگا۔ اس کے لیے مغفرت ہے)
ایک اور روایت کے مطابق سرورِ کائناتؐ نے ایک موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے:۔

لتفتحن القسطنطنیۃ ولنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا

(یعنی قسطنطنیہ فتح کیا جائے گا اور کیا اچھا ہے وہ امیر جو اس کی فتح کا امیر ہو اور کیا اچھی ہے وہ فوج جو اس فتح کی حاصل کرنے والی ہو)
ان بشارت ہائے عظیمہ کی بناء پر صحابہ کرامؓ اور دوسرے مسلمان ایک مدت سے غزوۂ روم میں شرکت کے متمنی تھے۔ قدرت نے یہ موقع حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں اور پھر امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں مہیا کر دیا۔

(۲)

فضیلتِ جہاد | کلام پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد

فی سبیل اللہ کے بشمار فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے۔

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

(اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں)

سورۂ صف میں ارشاد ہوا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ

(اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ میں صف باندھ کر (اس طرح جم کر) لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہے اینٹ سے اینٹ ملی ہوئی۔)

اسی سورت کی گیارہویں آیت ان مجاہدین کے بارے میں ہے جو دشمنان حق کے مقابلہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں ان مجاہدین کے تمام گناہ بخشدیئے جاتے ہیں۔ اور جنت ابدی کا دروازہ ان کے لیے کھل جاتا ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

صحیح بخاری میں ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاؤں جہاد کی راہ میں آلودہ ہوئے ہوں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کو جہنم کی آگ چھو جائے۔

اسی طرح مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے اشکبار ہو یا جہاد میں جاگے اس پر نارِ دوزخ حرام ہے۔

جہاد کے ایسے ہی فضائل تھے جو صحابہ کرامؓ اور سچے مسلمانوں کے دل میں ہر وقت شوقِ جہاد کا شعلہ فروزاں رکھتے تھے۔ جہاد کا مقصد ملک گیری اور غارت گری نہ تھا بلکہ اسلام نے اسے ایک ایسی عبادت بنا دیا تھا جس کا مقصد ایک طرف اپنی مدافعت کرنا تھا اور دوسری طرف اعلائے کلمۃ الحق اور مظلوموں کو جابروں اور ظالموں کے دستِ تعدی سے بچانا تھا۔ قرنِ اوّل میں قیصرِ روم کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کے اوّلیں مقاصد یہی تھے۔ البتہ رسولِ اکرمؐ کی بشارت کا مصداق بننے کی خواہش نے ان کے شوقِ جہاد کو دوچند کر دیا تھا۔

(۳)

قیصرِ روم کے خلاف آغازِ جہاد

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں (۳۱ھ میں) قیصرِ روم نے مسلمانوں کے خلاف خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس نے پانچ سو جہازوں کا ایک زبردست جنگی بیڑا سواحلِ شام پر حملہ کے لیے بھیجا۔ امیر معاویہؓ والیٔ شام نے امیر المومنینؓ کی اجازت سے عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں ایک اسلامی بیڑا مرتب کیا اور رومیوں کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ دونوں بیڑوں میں ہولناک جنگ ہوئی۔ رومی بیڑا تابِ مقاومت نہ لا سکا اور اپنے ہزاروں سپاہی کٹوا کر نہایت بری طرح پسپا ہوا۔ اس کے بعد ۳۸ھ میں امیر معاویہؓ نے ایک زبردست بحری بیڑا جزیرہ قبرص (CYPRUS) پر حملہ کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی شامل تھے ان میں مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامتؓ اور ان کی زوجہ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان بھی تھیں اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کو فتح دی اور انہوں نے قبرص پر اسلامی علم لہرا دیا۔ واپسی کے وقت حضرت ام حرامؓ گھوڑے سے گر پڑیں اور سخت زخمی ہو گئیں۔ اسی صدمہ سے انہوں نے وفات پائی اور سرزمین قبرص کو ان کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہی اسلامی لشکر سرورِ کونینؐ کی بشارت کا مصداق تھا۔ لیکن اکثر مورخین کے نزدیک رسولِ اکرمؐ کی بشارت کا مستحق وہ اسلامی لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر پہلی دفعہ حملہ کیا اور جس میں حضرت ابوایوبؓ انصاری بھی شامل تھے۔

(۴)

جہادِ قسطنطنیہ قسطنطنیہ (جس کا موجودہ نام استنبول ہے اور جو ترکی کا ایک اہم ترین شہر اور بندرگاہ ہے) ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ ابتدا میں یہ بزنطائن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ۳۲۶ء میں سلطنت روما کے زبردست بادشاہ قسطنطین اعظم نے موجودہ شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت سے سلطان محمد فاتح کے زمانے تک یہ شہر مسلسل قیصرانِ روم کا پایۂ تخت رہا۔

امیر معاویہؓ نے باختلاف روایت ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں ایک اسلامی لشکر اس شہر کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق اس لشکر کی قیادت سفیان بن عوف کے سپرد تھی۔ لیکن اکثر روایات میں ہے کہ اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہؓ تھا۔ یزید تاریخ اسلام کی ایک بدنام ترین شخصیت ہے۔ کیا اس کی شرکتِ جہاد اور قیادتِ مجاہدین اسے رسول اکرمؐ کی بشارت کا مستحق بناتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک علمی بحث ہے اور ہماری کتاب کے موضوع سے

خارج ہے۔ البتہ یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والے اسلامی لشکر میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ اپنی کبر سنی کے باوجود ایک عام مجاہد (سپاہی) کی حیثیت سے شریک تھے۔

"تذکرہ حُفّاظِ شیعہ" (مصنفہ سید علی نقی) میں ہے کہ:۔

"کفّار کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو (یعنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو) خاص شوق تھا۔ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں یزید بن معاویہ کی سپہ سالاری میں جنگ کرنے تک سے آپ نے گریز نہیں کیا۔ آپ کا اجتہادی خیال یہ تھا کہ کفّار سے جہاد میں اگرچہ فاسق و فاجر اشخاص کی ماتحتی میں ہو۔ سچی نیت سے شریک ہونا مذہب کی نصرت ہے۔ اس لیے روم کی جنگ میں جو معاویہؓ کے حکم سے یزید کی ماتحتی میں افواج روانہ کی گئی تھیں۔ ان میں ابو ایوب انصاریؓ بھی موجود تھے اور وہیں قسطنطنیہ میں ۵۰ھ میں انتقال کیا۔"

اسلامی لشکر میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ مصر و شام وغیرہ کے مجاہدین کو الگ الگ فوجی دستوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مصری دستۂ فوج کے قائد حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ تھے۔ ایک دستے کے امیر حضرت فضالہ بن عبیدؓ اور ایک کے حضرت خالد سیف اللہؓ کے فرزند عبدالرحمٰن تھے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اس فوجی دستے میں شامل تھے جس کے سر عسکر حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ اس جہاد کے موقع پر

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی عمر ۸۰ برس سے اوپر تھی۔ لیکن آپ کے شوق جہاد کا یہ عالم تھا کہ اس ضعیف العمری کے باوجود مدینہ منورہ سے شام تک محض شرکت جہاد کے لیے سفر کیا۔ اور پھر ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکر اسلام میں شامل ہوئے۔ حالانکہ اس لشکر کے قائدین اور افسران میں سے کوئی شخص بھی کسی لحاظ سے ان پر فوقیت نہیں رکھتا تھا۔ فی الحقیقت وہ "صاحب بدر" اور "صاحب شجرہ" ہونے کی وجہ سے لشکر اسلام میں مہر عالمتاب کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی موجودگی عساکر اسلامیہ کے لیے برکت کا باعث تھی اور اس سے ان کے حوصلے دو چند ہو گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے اسلامی بیڑے کو ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس کیا اور پھر ایک دن یہ بیڑا شوق شہادت سے سرشار ہزارہا مجاہدین کو لے کر ساحل شام سے عازم قسطنطنیہ ہو گیا۔ رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کو مسلمانوں کی لشکر کشی کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی اپنی مدافعت کے لیے بڑے زور و شور سے تیاری کی اور چند ہی دنوں میں ہزارہا مسیحی جنگجو کیل کانٹے سے لیس ہو کر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اسلامی بیڑا بحر روم سے گزر کر آبنائے باسفورس میں داخل ہو گیا اور قسطنطنیہ کے سامنے ایک موزوں جگہ پر لنگر انداز ہو کر مجاہدین کو خشکی پر اتار دیا۔

(۵)

میدانِ رزم میں

رومیوں نے مسلمانوں کو دم لینے کی بہت کم مہلت دی اور ان کا ایک جرار لشکر قسطنطنیہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مسلمان بھی لڑائی کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے نہایت

استقلال اور ہمت سے رومیوں کے حملہ کو رد کا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا مسلمانو کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمن کی صفوں میں گھسے پڑتے تھے۔ ایک مجاہد (جس کا نام بعض روایتوں میں عبدالعزیز بن زرارہؓ بیان کیا گیا) ایک بار تنہا رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ مسلمان انھیں اس طرح اپنی جان خطرے میں ڈالتے دیکھ کر پکار اٹھے کہ ایسا کرنا اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے

لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ط

(تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

اس موقع پر حضرت ابوایوب انصاریؓ آگے بڑھے اور اسلامی لشکر سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ " مسلمانوں تم نے اس آیت کا یہ مطلب سمجھا ہے؟ حالانکہ اس کے حقیقی معنی اس کے برعکس ہیں۔ زمانۂ امن میں انصار نے ارادہ کیا تھا کہ جہاد میں مصروف رہنے کی وجہ سے ان کے کاروبار اور تجارت کو جو نقصان پہنچا ہے۔ اس کی تلافی کریں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ جہاد میں نقصان اور ہلاکت نہیں بلکہ جہاد سے کنارہ کشی کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

سنن ابوداؤد میں اسلم ابوعمرانؒ سے جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ روایت مروی ہے۔

" اسلم ابوعمرانؒ فرماتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ کو روانہ ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید ہمارے سردار تھے اور رومیوں کی پشت شہر پناہ (فصیل قسطنطنیہ) سے متصل تھی۔ ہمارے ایک آدمی نے تنہا دشمن پر حملہ کیا۔ لوگوں نے اس کو روکا اور کہا کہ یہ شخص اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ حضرت ابوایوبؓ

نے فرمایا کہ آیت کا تعلق وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ط ہم گروہِ انصار کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت عطا فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا کیا تو ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب ہم اپنے مال کی حفاظت میں رہیں (اس خیال کو دور کرنے کے لیے) حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ تو ہلاکت میں ہاتھ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کی حفاظت کریں اور جہاد چھوڑ دیں۔

ابو عمرانؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ایوبؓ ہمیشہ راہِ حق میں جہاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی اور قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔"

غرض مجاہدین اسلام نے بہت جلد رومیوں کے دانت کھٹے کر دیئے وہ پسپا ہو کر شہر میں جا گھسے اور فصیل شہر کے دروازے بند کر لیے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اس کی تسخیر کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔

(۶)

مرض الموت اور وصیت

جن دنوں اسلامی لشکر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا۔ یورپ کی آب و ہوا مسلمانوں کی طبائع پر بڑا بُرا اثر ڈال رہی تھی۔ یہاں تک کہ مجاہدین کی کثیر تعداد بیمار ہو گئی۔ بہت سے مجاہدین بیماری[1] سے جانبر نہ ہو سکے۔ اسی موقع پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی سخت

---

[1] اکثر مورخین نے اس بیماری کو "وبائے عام" کا نام دیا ہے۔

بیمار ہو گئے۔ جب ان کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو امیرِ لشکر یزید ان کی خدمت میں عیادت کے لیے حاضر ہوا اور کہا۔ "آپ کی کوئی وصیت ہو تو فرمایئے۔"

حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا۔ "جب میں مر جاؤں تو مسلمانوں کو میرا اسلام پہنچا دینا اور ان کو بتا دینا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس حالت میں انتقال کر جائے کہ ربِ واحد کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا تھا۔ اللہ تعالےٰ اس کو جنّت نصیب کریں گے اور میرا جنازہ سرزمین عدو میں جہاں تک تم لیجا سکو لیجا کر دفن کرنا۔"[1] یزید نے ان کی وصیت پوری کرنے کا عہد کیا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(۷)

تدفین حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات سے مسلمانوں پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ امیرِ لشکر نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور پھر تمام فوج ہتھیار سجا کر آپ کی میّت کو قسطنطنیہ کی دیوار کے عین نیچے لے گئی اور وہاں اسلام کے اس بطلِ جلیل کو سپردِ خاک کر دیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ کی تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ تدفین کے بعد امیر لشکر کے حکم سے آپ کی قبر زمین کے

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر حضرت ابو ایوبؓ نے یہ حدیث بھی بیان کی کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی تاکہ وہ ان کی مغفرت کرے۔

برابر کردی گئی تاکہ رومی مزار مبارک کے ساتھ کوئی بے ادبی نہ کر سکیں۔ صاحب عقد الفرید کا بیان ہے کہ قیصر قسطنطین چہارم کو رات کے وقت مسلمانوں کی ہلچل کی اطلاع ملی تو اس نے قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ رات کو کیا معاملہ تھا۔ مسلمان چونکہ سچ بولنے کا عادی تھا انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے پیشوائے اعظم محمد رسول اللہ کے ایک بزرگ صحابی کا انتقال ہو گیا تھا ہم لوگ ان کی تدفین میں مصروف تھے۔

قیصر نے کہلا بھیجا کہ تم لوگ یہاں سے جاؤ گے تو ہم قبر کھود کر ان کی ہڈیاں باہر پھینک دیں گے۔"

قیصر کے گستاخانہ کلام پر مسلمانوں کا خون کھول اٹھا۔ یزید نے قیصر کو پیغام بھیجا کہ " اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو خدا کی قسم یاد رکھو کہ مسلمانوں کی وسیع الحدود حکومت میں جتنے گرجے ہیں سب کو منہدم کر دیا جائے گا اور عیسائیوں کی قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائے گا۔"

یزید کے اس انتباہ کا قیصر پر خاطر خواہ اثر ہوا اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ " میں تمہاری دینی غیرت و حمیت کا امتحان لے رہا تھا۔ کنواری مریم کی قسم ہم تمہارے نبیؐ کے صحابیؓ کی قبر کا اکرام اور اس کی حفاظت و حراست کریں گے۔"

مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے فی الواقع اپنے عہد کا احترام کیا۔ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ قیصر روم نے خود حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار اقدس پر قبہ تعمیر کرایا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رومی قحط کے زمانے میں حضرت ابو ایوبؓ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے تھے اور آپ کے توسل سے بارش کے

لیے دعائیں مانگتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ میزبانِ رسولؐ کے نام کی لاج رکھ لیتا تھا اور ان کی مراد پوری کر دیتا تھا۔"

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور واپس چلے گئے۔ فتح قسطنطنیہ کی سعادت اللہ تعالیٰ نے تقریباً آٹھ سو سال بعد سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھ رکھی تھی ۔ امتدادِ زمانہ سے حضرت ابو ایوبؓ کا مزار مبارک زمین میں مستور ہو گیا ۔ اور سالہا سال تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ میزبان رسولؐ کا جسدِ مبارک کہاں مدفون ہے؟ رجب ۸۵۷ھ میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر علم اسلام لہرایا ۔ تو اس وقت مزار مبارک کو زمین کھود کر برآمد کیا گیا/ اس کی تفصیل آگے آئے گی ۔

(۸)

فتح قسطنطنیہ

قسطنطنیہ کی فتح تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے ۸۰۲ھ میں جب تیمور لنگ نے انگورہ کے میدان میں سلطان بایزید یلدرم کو شکست دی تو دنیا نے سمجھ لیا کہ ترک ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ اسی بایزید یلدرم کی اولاد میں ایسے ایسے اولوالعزم ، بلند حوصلہ، جری اور کامیاب بادشاہ ہوں گے کہ جن کی ہیبت سے سلاطینِ یورپ تھرائیں گے اور جن کی سطوت و اقتدار اور جاہ و جلال کا عَلَم لاکھوں مربع میل زمین پہ لہرائے گا ۔ اسی سلطان بایزید یلدرم کے پڑپوتے سلطان محمد ثانی نے ۸۵۷ھ ہجری میں رومیوں کے عظیم الشان تاریخی پایۂ تخت قسطنطنیہ پر صلیب کی بجائے اسلام کا پرچم لہرا دیا اور مؤرخین عالم سے "فاتح" کا سچا خطاب پایا۔

قسطنطنیہ کی فتح کا خیال قرن اول ہی سے مسلمانوں کے دل میں تھا۔ ان کی فتوحات نے ایک دنیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ لیکن کاتب تقدیر نے فتح قسطنطنیہ کی عظیم سعادت اور شہرت کو سلطان محمد فاتح ہی کی ضرب شمشیر اور عزم راسخ کے لیے قلمبند کر رکھا تھا۔ یہ یکتائے زمانہ مجاہد خاندان عثمانیہ کا ساتواں تاجدار تھا۔ اپنے باپ سلطان مراد ثانی کی وفات کے بعد ۸۵۵ھ ہجری میں اکیس سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے ایشیائی امراء کی سرکشی کا خاتمہ کیا اور طربزون، اور قرہ مان کی ریاستوں کو سلطنت عثمانیہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی تمام تر توجہ قسطنطنیہ کی فتح کی طرف مبذول کر دی۔ سلطان نے پہلے باسفورس کے یورپی ساحل پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا۔ یہ قلعہ اس حصار کے مقابل بنایا گیا جو سلطان بایزید نے اور ایک روایت کے مطابق سلطان محمد اول نے ایشیائی ساحل پر تعمیر کرایا تھا۔ یہ دونوں قلعے آج بھی باسفورس کے پر شوکت کنارہ پر کھڑے ہیں۔ اول الذکر رومیلی حصار کے نام سے مشہور ہے۔ اور مؤخر الذکر اناطولیہ حصار کے نام سے۔

قلعہ کی تعمیر کے بعد سلطان محمد نے قسطنطنیہ کے محاصرے کے لیے زور و شور سے سامان جنگ تیار کرانا شروع کیا۔ ہنگری کے ایک کاریگر سے متعدد دیو پیکر توپیں بنوائیں جن کے کھینچنے کے لیے ساٹھ ساٹھ جوڑ بیل لگتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان میں ایک توپ بارہ من وزن کا سنگی گولہ ایک میل تک پھینک سکتی تھی۔ سلطان کے حکم سے یہ توپ قلعہ کے برج پر لگائی گئی اور آتش فشانی کے بیشمار آلات بھی جمع کر لیے گئے۔ سلطان نے قلعہ میں چار سو سپاہی خاص اس غرض کے

لیے متعین کر دیئے کہ جو جہاز ادھر سے گزرے اس سے محصول وصول کریں۔ غرض اس طرح قسطنطنیہ کے محاصرے کا آغاز کر دیا گیا۔ دوسرے سال سلطان ادرنہ سے خود نوے ہزار کا جرار لشکر لے کر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا۔ برکت کے لیے سلطان نے اپنے مرشد حضرت شیخ شمس الدینؒ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ سمندر کی طرف سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے لیے سلطان نے امیر البحر بالطہ اوغلی سلیمان بک کی قیادت میں جنگی جہاز روانہ کئے۔ ادھر قیصر نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے زبردست جنگی تیاریاں کیں اور اسلامی بیڑے کا راستہ روکنے کے لیے غلطہ سے استنبول تک سمندر میں بڑی مضبوط زنجیریں باندھ دیں اور اپنے جنگی جہاز ان کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیئے۔ قیصر کی امداد کے لیے جنیوا کا جنگی بیڑا بھی آ پہنچا اور مسلمانوں کے لیے سمندر کی طرف سے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی کوئی صورت نہ رہی۔ اسلامی لشکر نے قسطنطنیہ سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا اور رات دن شہر کی تسخیر کے منصوبے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اس موقع پر سلطان نے ایک ایسا محیر العقول کام کیا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سلطان کے حکم سے ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے اس پر چھ میل تک صنوبر کی لکڑی کے موٹے تختے بچھا دیئے اور ان پر روغن اور چربی مل کر ایسا چکنا کیا کہ جو چیز ان تختوں پر رکھی جاتی پھسلتی جاتی۔ مجاہدین اسلام نے راتوں رات ۸۰ سریع الحرکت کشتیاں اور متعدد بڑے جہاز اس عجیب و غریب راستہ پر چلا کر گولڈن ہارن میں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے سمندر میں اتار دیئے۔ اثنائے راہ جہاں کہیں ان کو بلندی پر چڑھانا ہوتا وہاں زولبوں اور

گراریوں سے کام لیا جاتا۔ اتنے عظیم بیڑے کو خشکی پہ چلتا دیکھ کر دشمن پہ ناامیدی اور ہراس کی کیفیت طاری ہوگئی۔ رومیوں نے بہرصورت مقابلہ جاری رکھا۔ سلطان کی بری فوج نے بھی مناسب فاصلہ پر توپیں اور دوسرے آتش فشاں آلات نصب کر دیئے۔

سلطان نے قسطنطنیہ پر عام حملہ کے لیے ۱۰ جمادی الآخر ۸۵۷ھ کا دن مقرر کر دیا۔ نو اور دس جمادی الآخر کی درمیانی شب تمام لشکر گاہ میں چراغاں رہا اور مجاہدین اسلام سلطان سمیت نہایت خشوع و خضوع سے دعا و عبادت میں مصروف رہے۔ صبح ہوتے ہی اسلامی فوج نہایت جوش و خروش سے شہر کی طرف بڑھی۔ سلطان نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں جن میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ آیات سن کر ہر مجاہد کے دل میں شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اسلامی فوج کے پیچھے علماء اور مشائخ کا گروہ تھا جو مسلمانوں کی فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔ رومیوں نے نہایت پامردی اور جرأت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کی بے پناہ یلغار کے سامنے ان کے قدم زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے۔ ادھر سلطانی توپوں کے گولوں سے فصیل شہر میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے اور مسلمان فوج تکبیر کے نعرے لگاتی شہر کے اندر داخل ہوگئی۔ قیصر قسطنطین لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور رومیوں نے ہتھیار پھینک کر اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اس طرح ۵۳ دن کے پُرصعوبت محاصرے کے بعد شہر فتح ہوگیا۔

شقائق النعمانیہ کے ترک مصنف نے اس موقع کا نقشہ یوں کھینچا ہے:۔

"جبکہ وقتِ موعودہ آگیا اور شہر کسی طرح فتح نہ ہوا تو سلطان کا وزیر یہ

خوفزدہ اور پریشان ہوگیا وہ اضطراب کی حالت میں شیخ العصر شمس الدینؒ کے خیمے کی طرف گیا۔ لوگوں نے اسے روکا کہ شیخؒ نے تاکید کر رکھی ہے کہ کسی کو ان کے خیمے کے اندر نہ آنے دیں۔ لیکن وزیر سراسیمگی کے عالم میں ان کے خیمے کے اندر جا گھسا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شیخ سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ سر برہنہ ہے اور نہایت خشوع و خضوع سے دعا کر رہے ہیں۔ چند لمحوں کے بعد شیخ یکایک اٹھ کھڑے ہوئے۔ زور شور سے تکبیر کہی اور فرمایا

الحمد للہ الذی فتحنا ھذہ المدینۃ ،

(اس اللہ کا شکر جس نے اس شہر کی فتح ہمیں مرحمت فرمائی)

وزیر کہتا ہے کہ شیخؒ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سنتے ہی میں نے شہر کی طرف پلٹ کر دیکھا تو اسلامی فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی۔"

سلطان سجدۂ شکر میں پشتِ زین پر سر رکھے ہوئے شہر میں داخل ہوا اور اس عظیم الشان شہر پر علمِ اسلام لہرا دیا۔ کسی نے اس فتح عظیم کی کیا خوب تاریخ کہی ہے

دام امرا لفتح قوم اولون

جاذہ بالنصر قوم آخرون
۸۵۷

بعض نے اس کا مادۂ تاریخ "بلدۃ طیبۃ" سے نکالا ہے۔ سلطان نے رومیوں کے ساتھ نہایت نرم سلوک کیا۔ ان کو اپنے دینی معاملات میں مکمل آزادی بخشی۔ اور ایا صوفیہ کے عظیم الشان کنیسہ کے سوا تمام گرجے عیسائیوں کے پاس رہنے دیئے۔ ایا صوفیہ کو خدائے واحد کی پرستش کا مقام بنا دیا گیا۔ (اتاترک مصطفٰے کمال

پاشا مرحوم کی حکومت نے مسجد ایا صوفیہ کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا)

قسطنطنیہ کی فتح نے جہاں دنیائے عیسائیت میں تہلکہ ڈال دیا اور تمام یورپ کو ششدر کر دیا۔ وہاں تمام عالم اسلامی میں جشن منایا گیا اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین اور علما و شعرا نے سلطان محمد فاتح کو مبارکباد کے پیغامات بھیجے۔ اس سے پہلے مسلمان قسطنطنیہ پر آٹھ بار حملہ آور ہو چکے تھے۔ پہلا حملہ ۵۲ھ میں ہوا جس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی شریک ہوئے۔ دوسرا حملہ ۹۸ھ میں سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں۔ تیسرا ہشام کے عہد ۱۲۱ھ میں۔ چوتھا مہدی عباسی کے عہد حکومت ۱۶۵ھ میں۔ پانچواں ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں چھٹا اور ساتواں سلطان بایزید یلدرم کا۔ آٹھواں مراد ثانی کے عہد حکومت ۸۲۵ھ میں۔ نواں اور آخری حملہ سلطان محمد فاتح کا تھا جس میں شہر فتح ہو گیا۔ اور اسی وقت سے قسطنطنیہ ترک بادشاہوں کا پایۂ تخت قرار پایا۔

(۹)

تربتِ ابو ایوبؓ کی تلاش

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر مدتوں سے زمین میں مستور ہو چکی تھی۔ لیکن دنیا کے ہر مسلمان کو یہ علم تھا کہ اسلام کا یہ بطل جلیل فصیل قسطنطنیہ کے سائے میں مدفون ہے۔ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر قابض ہونے کے فوراً بعد حضرت ابو ایوب کی جائے لحد کی تلاش شروع کر دی کئی میل زمین کو کھدوانا آسان کام نہ تھا۔ چنانچہ فتح کے تیسرے دن سلطان نے شیخ العصر شیخ شمس الدینؒ سے التجا کی کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی تربتِ پاک کی تلاش میں میری مدد فرمائیے۔

شیخ نے فرمایا کہ میں نے فصیل کے باہر ایک جگہ نور دیکھا ہے جو زمین سے آسمان تک جا رہا تھا۔ کیا عجب کہ حضرت ابو ایوبؓ کی جائے لحد یہی ہو۔

یہ فرما کر حضرت مذکورہ مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر کافی دیر تک مراقبہ کیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روح اقدس سے ملنے کی سعادت نصیب کی۔ انھوں نے مسلمانوں کو اس فتح عظیم پر مبارکباد دی ہے اور فرمایا ہے کہ حق تعالےٰ نے تمہاری سعی مشکور کی کہ تم نے میری قبر کے قریب سے کفر و شرک کی تمام نجاستیں دور کیں۔"

سلطان نے عرض کی "یا حضرت اس بندۂ پر تقصیر کو بھی کوئی ایسی علامت دکھایئے جس سے میرا دل مطمئن ہو جائے۔"

حضرت شیخ نے پھر مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا:

"اس مقام کو کھود دو۔ یقین ہے کہ اسی جگہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر مقدس ہے۔"

سلطان کے حکم سے اسی وقت اس جگہ کو کھودا گیا۔ سطح زمین سے چند فٹ نیچے سنگ مرمر کا ایک کتبہ نکلا اس پر عبرانی زبان میں کچھ الفاظ کندہ تھے۔ عبرانی زبان جاننے والوں نے یہ الفاظ پڑھے تو معلوم ہوا کہ یہی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر ہے۔

نوجوان سلطان جس نے ابھی اپنی عمر کی صرف تیئس ۲۳ بہاریں دیکھی تھیں۔ اپنے آقا و مولا سید الانبیاءؐ کے اس عظیم المرتبت اور جامع فضائل صحابیؓ کی جائے مدفن دیکھ کر فرطِ مسرت سے بیخود ہو گیا اور بے اختیار سجدۂ شکر میں گر پڑا۔ سلطان نے

اس مقام پر ایک عظیم الشان گنبد تعمیر کرایا اور اس کے قریب ایک جامع مسجد تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ مسجد مکمل ہو گئی تو سلطان بڑے کرّ و فر سے اس مسجد میں گیا اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد شیخ شمس الدینؒ نے سلطان کے ہاتھ میں تلوار دی اور اسے دعائے خیر و برکت دی۔ اس کے بعد صدیوں تک یہ رسم رہی کہ ترکی کا جو سلطان تخت نشین ہوتا۔ وہ پہلے جامع ابو ایوبؓ میں حاضر ہوتا اور شیخ العصر شمس الدینؒ کی عطا کردہ تلوار اپنی کمر میں باندھتا۔ اس کے بعد باضابطہ اس کی تخت نشینی کا اعلان کیا جاتا۔ گویا یہ رسم ترک بادشاہوں کی کاذینیشن (Coronation) یعنی تاجپوشی کے مترادف بن گئی۔ اتاترک مصطفےٰ کمال پاشا نے ترکی میں ملوکیت کا خاتمہ کر کے جمہوریت کی بنیاد رکھی تو اس رسم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

(۱۰)

درگاہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ

قسطنطنیہ صدیوں تک اسلامی تہذیب تمدّن کا گہوارہ رہا ہے۔ گو ترکی کا دارالحکومت یہاں سے انقرہ منتقل ہو چکا ہے۔ لیکن حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی ابدی آرام گاہ ہونے کی وجہ سے اس شہر کو " شہرت عام اور بقائے دوام " کا جو درجہ مل چکا ہے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ قسطنطنیہ کا خوشنما اور عظیم الشان گھاٹ (گولڈن ہارن یا شاخ زریں) جس خلیج کے دہانہ پر واقع ہے وہ بھی خلیج ابو ایوبؓ کے نام سے موسوم ہے۔ قسطنطنیہ کے جس محلے میں حضرت ابو ایوبؓ کا مقدس مزار ہے وہ گولڈن ہارن کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ مزار مبارک کی عمارت نہایت رفیع الشان ہے۔ درگاہ میں ہزاروں کبوتر ادھر ادھر اڑتے نظر آتے ہیں۔ قبر کا تعویذ زمین کی سطح سے کم و بیش چھ فٹ اونچا ہے

اس کے ارد گرد نہایت خوبصورت جالی لگی ہے۔ مزار کی پوری عمارت منقش ہے۔ اعلیٰ درجہ کی تزئین۔ دیدہ زیب پھول اور دلفریب گلکاری۔ مزار پر نہایت بیش قیمت اور نفیس چادر پڑی رہتی ہے اور چاروں طرف بیسیوں کتبے لٹکے ہوئے ہیں ان کتبوں کا خط اتنا پاکیزہ ہے کہ دیکھ کر آنکھوں میں نور آتا ہے اور ترکی کے چابک دست خوشنویسوں کی مہارت فن کی داد دینی پڑتی ہے[1]۔ مزار مبارک پر ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ احاطۂ مزار کے ایک گوشے میں ایک کنواں تھا لوگ تبرکاً اس کا پانی گھر لے جاتے تھے۔ مزارِ مبارک کے قریب ایک قبرستان ہے جو گورستان ابو ایوب انصاریؓ کے نام سے مشہور ہے۔ اس گورستان میں دفن ہونا بڑی سعادت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ ترکی کے بڑے بڑے علماء و مشائخ اس قبرستان میں دفن ہیں۔

روضۂ مبارک کے قریب ہی سلطان محمد فاتح کی تعمیر کردہ عظیم الشان جامع مسجد آج بھی فتح قسطنطنیہ کی یاد دلا رہی ہے۔ جامعِ ابو ایوب کی عمارت اور صحن بہت وسیع ہے۔ نماز کے اوقات میں یہاں بہت رونق ہوتی ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے دن تو کہیں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ سلاطینِ ترکی کے زمانہ میں مزار سے متعلق ایک مدرسہ بھی تھا۔ جہاں دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ بھی حضرت ابو ایوب کے اسمِ گرامی سے منسوب تھا۔ یہ مدرسہ مدت ہوئی بند ہو چکا ہے۔

---

[1] ماخوذ از سفرنامہ جناب فتح محمد صاحب نیفت ریٹائرڈ ڈپٹی چیف کنٹرولر امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ حکومت پاکستان۔

تجدد پسندی کے اس دور میں بھی ترک حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار مبارک اور جامع ابوایوبؓ کی بیحد تعظیم کرتے ہیں۔

قسطنطنیہ ــــ جسے میزبانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ اقبالؒ اس کی عظمت کے بارے میں یوں نغمہ پیرا ہوئے ہیں۔

نگہت گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ابوایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا
اے مسلماں ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت و خون کا حاصل ہے یہ شہر

خانگی زندگی

(۱)

ازدواج و اولاد

مختلف روایات کے مطابق حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں۔ آپ کی ایک بیوی کا نام ام حسن بنتِ زید تھا ان کے بطن سے ایک بیٹے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ جوانی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا اور ان سے نسل نہیں چلی۔

دوسری زوجۂ محترمہ کا نام ام ایوب انصاریہؓ تھا۔ (ان کا اصل نام کسی کتاب میں درج نہیں اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں) یہ خاتون مشہور صحابیہ ہیں اور ان سے کئی احادیث بھی مروی ہیں۔ اپنے شوہر محترم کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف ان کو بھی حاصل ہوا۔ وہی حضورؐ کے لیے کھانا تیار کیا کرتی تھیں۔ حضرت ام ایوبؓ کے بطن سے جو اولاد ہوئی اس میں سے ایوب، خالد اور محمدؒ تین بیٹوں اور ایک بیٹی عمرہؓ کے نام معلوم ہیں۔ حضرت ابو ایوب کی اولاد کو اللہ تعالےٰ نے بڑی کثرت اور ترقی عطا فرمائی۔ ان کے پوتے حضرت

عبداللہ انصاریؒ ہرات جاکر آباد ہو گئے اور دنیائے تصوف میں بڑا نام پیدا کیا۔ کیف وعرفان سے معمور ایک مناجات بھی ان سے منسوب ہے۔ ان کی اولاد نواح ہرات اور افغانستان کے دوسرے علاقوں میں آج بھی موجود ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد سے دو بزرگ حضرت یوسف انصاریؒ اور حضرت علاءالدین انصاریؒ ہندوستان تشریف لے آئے۔ ہندوستان اور پاکستان کے انصاریوں کے مورث اعلیٰ یہی دو بزرگ ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد و احفاد کے حالات مولانا ابومحمد امام الدین رام نگری نے اپنی کتاب "حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد ہندوستان میں" کے اندر بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

(۲)

ذریعۂ معاش

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ذریعۂ معاش کے متعلق کتب سیر میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ یہ بات تمام مؤرخین نے بلا اختلاف لکھی ہے کہ حضرت ابوایوبؓ قبیلہ بنو نجار کے رؤسا میں سے ایک تھے۔ چونکہ انصار بالعموم زراعت پیشہ تھے۔ ان کی ریاست وامارت زمین اور باغات کی ملکیت سے متحقق تھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہجرت نبویؐ کے وقت حضرت ابوایوبؓ اس قدر زمین اور باغات کے مالک ضرور ہوں گے جو انھیں رئیس مشہور کرنے کے لیے کافی تھے۔ ہجرت کے بعد جس دو منزلہ مکان میں سرور دوجہاںؐ نے نزول اجلال فرمایا وہ بھی حضرت ابوایوبؓ کی ذاتی ملکیت میں تھا۔ ایک روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مکان سے متصل حضرت ابوایوبؓ کا ایک (کھجوروں کا) باغ بھی تھا۔

انصار میں صنعت و حرفت کا رواج بہت ہی کم تھا۔ معدودے چند لوگ مختلف دستکاریوں کے ذریعے اپنی معاشی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ہجرت سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا ذریعۂ معاش پارچہ بافی تھا۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ آپ کا اصل پیشہ تو دوسرے انصار کی طرح کھیتی باڑی ہی تھا۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ معاشی آسودگی کے لیے آپ نے پارچہ بافی کا اضافی پیشہ اختیار کر رکھا ہو۔

صاحب "معارج النبوۃ" نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی پارچہ بافی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:۔

"در روایتے آن ست کہ چون ناقہ بر در خانۂ ابوایوبؓ سینہ بر زمین نہاد و جبریل علیہ السلام نازل شد و گفت یا محمدؐ این جا فرود آ کہ ابوایوب حق تعالیٰ را تواضع نمودن آن وقت کہ تو بہ در مدینہ نزول کردی مردم خانہ ہائے خود را برآراستند تا آنجا نزول فرمائی، ابوایوبؓ در دل خود می گفت کہ من مرد ضعیف و فقیر و بافندہ ام و رسولؐ از من عار دارد و در خانہ من نزول نہ فرماید، چون او تواضع نمود و خود را ازین معنی دور دید، تو بخانہ او فرود آئی۔

چنانچہ کشتیٔ نوح علیہ السلام بر کوہِ جودی فرود آمد بہ سبب آں، و تجلّی بطور سینا وارد گشت بجہت فروتنی او"

ترجمہ:۔ "ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ نے حضرت ابوایوبؓ کے دروازے پر پہنچ کر اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی جگہ ناقہ سے اتر آیئے کیونکہ ابوایوب

نے بارگاہِ خداوندی میں اس وقت بڑے عجز کا اظہار کیا ہے ۔ جب آپ مدینہ کے درواز ے پر تشریف لائے ۔ تو لوگوں نے اپنے مکانوں کی خوب تزئین و آرائش کی تا کہ آپ ان کے یہاں تشریف فرما ہوں ۔ لیکن ابوایوبؓ نے اپنے دل میں کہا کہ میں ایک مسکین اور فقیر پارچہ باف (کپڑا بننے والا) ہوں ۔ رسول اکرمؐ مجھ سے عار فرمائینگے اور میرے یہاں نہ اتریں گے ۔ چونکہ انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں اپنے عجز اور درماندگی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو آپ کی میزبانی کے شرف کا اہل نہ سمجھا ۔ لہذا آپ انھیں کے مکان پر منزلِ اجلال فرمایئے ۔ کشتی نوح جو کوہِ جودی پر ٹھہری اور تجلی حق تعالےٰ کوہ طور پر نازل ہوئی تو اس کا سبب بھی ان پہاڑوں کی یہی فروتنی تھی ۔"

ہجرت نبویؐ سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا ذریعۂ معاش کچھ بھی ہو بہرصورت وہ اپنے خاندان کے آسودہ حال لوگوں میں سے تھے ۔ اسی بناء پر مورخین نے انھیں بنو نجار کا رئیس لکھا ہے ۔ ہجرت کے بعد جوں جوں اسلام کی فتوحات میں وسعت اور ترقی ہوئی مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی گئی ۔ حضرت ابوایوب بھی پہلے سے آسودہ حال ہو گئے اور قیاساً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت کے بعد انہوں نے پارچہ بافی کا پیشہ ترک کر دیا تھا ۔ کیونکہ ان کو اس کی احتیاج ہی نہیں رہی تھی ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب تمام مسلمانوں کے ان کے حسب مراتب روزینے مقرر کیے ۔ تو ملک میں بڑی مشکل سے کوئی صاحب احتیاج ملتا تھا ۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا سالانہ وظیفہ بدری صحابی ہونے کی وجہ سے پانچ (یا چار) ہزار درہم مقرر ہوا اور وہ معاشی تفکرات سے کلیتہً بے نیاز ہو گئے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کے وظیفہ کی رقم بیس[۲] ہزار

درہم سالانہ کردی اور غلاموں کی تعداد میں بھی معتدبہ اضافہ کر دیا۔ ایک مدت تک وہ مدینہ کی امارت پر بھی فائز رہے۔ غرض اللہ تعالےٰ نے جہاں انھیں دینی لحاظ سے عظیم مراتب عطا کئے وہاں دنیوی لحاظ سے بھی ان کو اغنیا میں شامل کر دیا تھا۔

عظمتِ کردار

(۱)

حُبِّ رسولؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ اخلاقِ حسنہ کا ایک پیکرِ جمیل تھے ان میں سب سے نمایاں وصف ان کا ذاتِ رسالتمآبؐ سے والہانہ عشق تھا۔ جس ذوق و شوق سے انہوں نے سرورِ عالمؐ کی میزبانی کی اور اس مدت میں جس ایثار پیشگی اور وفاشعاری کا مظاہرہ کیا وہ ان کے عشقِ رسول پر دال ہے۔ مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بعد رسول کریمؐ اس سے متصلہ حجروں میں منتقل ہو گئے لیکن اس کے بعد بھی حضورؐ کبھی کبھی خانۂ ابوایوبؓ کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرماتے۔

ایک دن سرورِ کونینؐ کے خانۂ اقدس میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر بھی یہی حال تھا حضورؐ بھوک کی حالت میں خانۂ اقدس سے باہر نکلے راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مل گئے اتفاق سے وہ بھی اس دن فاقہ سے تھے۔ سرورِ کونینؐ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوایوبؓ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت حضرت ابوایوبؓ اپنے کھجوروں

کے باغ میں گئے ہوئے تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ابوایوبؓ کی زوجۂ محترمہ نے حضورؐ کو اہلاً وسہلاً کہا۔ حضورؐ نے پوچھا: "ابوایوبؓ کہاں ہے" حضرت ابوایوبؓ کا باغ مکان کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے حضورؐ کی آواز سنی تو کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر دوڑتے ہوئے گھر آئے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ آدھے گوشت کا سالن پکوایا اور آدھے کے کباب بنوائے اور حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضورؐ نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا۔ "اسے فاطمہ کو بھیج دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔"

حضرت ابوایوبؓ نے تعمیل ارشاد کی اور حضورؐ نے اپنے رفقائے کرامؓ کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ پُرتکلف کھانا کھاتے ہوئے حضورؐ پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا:-

"حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے دنیاوی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا" (یعنی ان نعمتوں کا حق تم نے کیسے ادا کیا) (حکایاتِ صحابہ)

سرورِ کونینؐ سے والہانہ محبت کی یہ کیفیت حضرت ابوایوبؓ میں تمام عمر رہی۔ وصالِ نبوی کے بعد عاشقانِ رسولؐ روضۂ اطہر کو دیکھ کر اپنے جذباتِ عشق و محبت کو تسکین دے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابوایوبؓ بھی اکثر روضۂ پاک پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ مروان بن الحکم کی امارتِ مدینہ کے دنوں میں ایک دفعہ حضرت ابوایوب انصاریؓ روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے اور

جوشِ عشق میں اپنا چہرہ ضریحِ اقدس سے مس کرنا اور رگڑنا شروع کیا۔ اتفاق سے مروان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے حضرت ابوایوبؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ کا یہ فعل خلافِ سنّت ہے۔"

حضرت ابوایوبؓ نے جواب دیا:۔

"مروان میں کسی اینٹ اور پتھر کے ڈھیر کے پاس نہیں آیا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں۔"

(۲)

خاندانِ نبوّت سے تعلقِ خاطر

حضرت ابوایّوبؓ خاندانِ نبوّت کے تمام افراد سے بھی بے حد محبّت کرتے تھے۔ وصالِ نبوی کے بعد وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں سے تھے جنھوں نے کھلم کھلا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد خلافتِ مرتضوی کے دوران وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پرجوش رفیق اور جاں نثار رہے۔ خاندانِ نبوّت سے اس تعلقِ خاطر کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ اور رسول اکرمؐ کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کی نظروں میں حضرت ابوایوبؓ کی بے حد قدر و منزلت تھی۔

جس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف سے) بصرہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابوایّوب انصاریؓ ان کی ملاقات کے لئے بصرہ تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کی تشریف آوری سے کمال درجہ کی مسرت ہوئی۔ انہوں نے بصرہ میں اپنا مکان سازو سامان سمیت حضرت ابوایّوبؓ کی نذر کر دیا اور کہا کہ جس طرح آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم

کی میزبانی کے لیے اپنا گھر خالی کر دیا تھا۔ اسی طرح میری دلی مسرت بھی اسی میں ہے کہ آپ کی میزبانی کے لیے اپنا گھر خالی کر دوں اور اس کے اندر جو مال و اسباب ہے وہ آپ کی نذر کر دوں۔

واقعہ افک میں جب منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی تو ابو ایوب کی اہلیہ ام ایوب نے ان سے پوچھا۔ "لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ آپ نے سنا۔" بولے، ہاں، لیکن یہ سب جھوٹ ہے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ لوگ جس بات سے ام المومنین کو متہم کر رہے ہیں کیا تم ایسا کر سکتی ہو۔ ام ایوبؓ نے کہا۔ "خدا کی قسم ہرگز نہیں۔" فرمایا۔ "اگر تم ایسا نہیں کر سکتیں تو عائشہ صدیقہ کا درجہ اور کردار تو تم سے بہت بلند ہے۔"

(۳)

شوقِ جہاد ایک مسلمان کے سارے اعمال میں جہاد فی سبیل اللہ افضل ترین عمل ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا مطلع اخلاق جوشِ ایمان اور شوقِ جہاد کے انوار سے منور تھا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ وصالِ نبوی کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں جنگ نہروان میں خوارج کے خلاف نمایاں حصہ لیا۔ شوقِ جہاد کی انتہا یہ تھی کہ اسی ۸۰ سال سے اوپر کی عمر میں غزوہ روم میں شرکت کے لیے مدینہ منورہ سے مصر پہنچے اور پھر وہاں سے بحیرہ روم کو عبور کر کے قسطنطنیہ پہنچے۔

(۴)

حق گوئی و بے باکی

حضرت ابو ایوب انصاریؓ نہایت حق گو اور بیباک تھے۔ کوئی بڑی سے بڑی طاقت انھیں اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ حق گوئی کی شان یہ تھی کہ ایک دفعہ مصر کے گورنر حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ نے نماز مغرب میں کسی سبب سے دیر کر دی۔ حضرت ابو ایوب بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے برملا کہا۔ "ماھذا الصلوٰۃ یا عقبہ؟ عقبہ یہ کیسی نماز ہے۔ حضرت عقبہؓ نے جواب دیا کہ ایک کام کی وجہ سے اتفاقاً دیر ہوگئی۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا۔ " یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ مت بھولو کہ تم رسول اللہ کے صحابی ہو۔ تمہارا قول و فعل لوگوں کے لیے حجت بن سکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں عجلت کی تاکید فرمائی ہے اگر تم صاحب رسول اکرمؐ ہوتے ہوئے بھی نماز میں تاخیر کرو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ حضورؐ بھی ضرور اسی وقت نماز ادا کرتے ہوں گے۔ یاد رکھو کہ کسی صحابی کا کوئی فعل نبی اکرمؐ کی سنت کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے۔"

حضرت عقبہؓ نے آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔

ایک دفعہ حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے محض اپنی کاہلی کے باعث مساجد کے اماموں کو بلا کر تاکید کی کہ نماز ذرا دیر کر کے پڑھا کرو تاکہ میں بھی جماعت میں شریک ہو سکوں۔ حضرت ابو ایوب کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ فوراً مروان بن حکم کے پاس گئے اور فرمایا تمہیں نماز میں تاخیر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اگر تم نماز کی تقدیم و تاخیر میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرو گے تو ہم تمہاری مخالفت کریں گے اور اگر حضورؐ کے عمل کو مشعل راہ بناؤ گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

•

ایک جنگ میں حضرت عبدالرحمن بن خالدؓ (بن ولید) نے چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں بندھوا کر قتل کرا دیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا "یہ تو سفاکی اور وحشت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے ایسے وحشیانہ سلوک کی ممانعت فرمائی ہے میں تو اس طریقہ سے ایک مرغی کو بھی ذبح کرنا پسند نہیں کرتا۔"

حضرت ابو ایوبؓ حق گوئی کے ساتھ بے حد کریم النفس اور رقیق القلب بھی تھے۔ غزوۂ روم میں بہت سے رومی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ انھیں جہاز میں سوار کرا دیا گیا۔ اتفاقاً حضرت ابو ایوبؓ ان قیدیوں کی طرف جا نکلے دیکھا تو ایک قیدی عورت پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ دیکھ کر بیقرار ہو گئے۔ اس کے گریۂ بیکسی کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کا بچہ اس سے چھین لیا گیا ہے اور جہاز میں کسی اور جگہ رکھا گیا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ فوراً اس بچہ کو پکڑ لائے اور اس کو ماں کے حوالے کر دیا۔

قیدیوں کے افسر نگران کو حضرت ابو ایوبؓ کا یہ کام ناگوار گزرا اس نے سپہ سالار سے اس دخل در اندازی کی شکایت کی۔ سپہ سالار نے آپ کو طلب کر کے باز پرس کی تو فرمایا "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ستمگرانہ طریق سے منع فرمایا ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ میں ایسا جور وستم اپنی آنکھوں کے سامنے کیسے دیکھ

سکتا ہوں۔"
امیر عسکر خاموش ہو گیا۔

(۵)

غلام نوازی

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ایک غلام افلح نامی تھے انہوں نے افلح کو مکاتب بنا کر آزاد کرنا چاہا۔ لوگوں میں یہ خبر پھیلی تو انہوں نے افلح کو مبارکباد دی۔ اسی اثناء میں حضرت ابو ایوبؓ کا ارادہ کسی وجہ سے بدل گیا اور انہوں نے افلح کو کہلا بھیجا کہ تمہیں مثل سابق غلام بن کر رہنا ہوگا۔

افلح کے اہل وعیال پر مکاتبت کی تنسیخ ناگوار گزری۔ لیکن افلح حضرت ابو ایوبؓ کے حسن اخلاق کے اتنے مداح تھے کہ انہوں نے برضاو رغبت معاہدہ کتابت کو فسخ کر دیا اور حضرت ابو ایوب کی خدمت میں آ گئے۔ چند دن بعد حضرت ابو ایوب نے انھیں بلا شرط آزاد کر دیا اور فرمایا جو مال تمہارے پاس ہے وہ سب تمہارا ہے میں تم سے کچھ نہیں لونگا۔

(۶)

جذبۂ اصلاح

حضرت ابو ایوبؓ کے قلب صافی میں ہر وقت مسلمانوں کی اصلاح کا جذبہ موجزن رہتا تھا۔ خلافِ سنت امور کو دیکھ کر آپ کا دل تڑپ اٹھتا تھا۔ ایک دفعہ شام اور مصر تشریف لے گئے وہاں مسلمانوں کے گھروں میں پاخانے قبلہ رخ بنے ہوئے تھے۔ آپ کو یہ صورت بہت بری معلوم ہوئی بار بار فرماتے "مسلمانو۔ پاخانوں کا قبلہ رُخ بنانا بہت بُرا ہے

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ جب تم پاخانے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ ادھر پشت کرو۔" حضرت ابو ایوبؓ سے مروی حدیث پاک کی اسقدر اشاعت ہوئی کہ آج مسلمانوں کا بچہ بچہ قبلہ رخ ہو کر پیشاب یا پاخانہ کرنے کو گناہ سمجھتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت سالم بن عبد اللہ انصاریؓ نے حضرت ابو ایوب کو دعوت ولیمہ میں بلایا۔ وہ ان کے مکان پر گئے تو دیکھا کہ دروازے پر تصویر دار پردے لٹک رہے ہیں۔ حضرت ابو ایوب یہ دیکھ کر سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ حضرت سالمؒ کو ملامت کی اور مکان کے اندر داخل نہیں ہوئے۔

(۷)

حیا حضرت ابو ایوبؓ کی شرم و حیا کی یہ کیفیت تھی کہ جب کبھی گھر سے باہر کنوئیں پر نہانے کا اتفاق ہوتا۔ تو چاروں طرف سے کپڑے کی اوٹ کر لیتے تھے۔

فضل وکمال

(۱)

فضل وکمال

حضرت ابوایوب انصاریؓ ان جلیل القدر صحابہؓ میں شامل ہیں جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پورا قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ سرورِ کونینؐ کے سامنے قرآن حفظ کرچکے تھے ان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام بھی موجود ہے۔ محمد بن کعب قرظی کے نزدیک رسالتمآب کے زمانہ میں صرف پانچ آدمیوں نے قرآن مجید حفظ کیا تھا ان میں حضرت ابوایوبؓ بھی تھے۔ دوسری روایتوں میں عہدِ رسالت کے حُفّاظ قرآن میں متعدد دوسرے صحابہ کرامؓ کا نام بھی درج ہے۔ بہرصورت حضرت ابوایوبؓ کا حفظ قرآن اکثر اربابِ سِیَر کے نزدیک مسلّم ہے۔

(۲)

علمی مرتبہ

حضرت ابوایوبؓ علم وفضل کے اعتبار سے ایک تبحر عالم

تھے اور ایک دنیا آپ کے کمالاتِ علمی کی معترف تھی۔ اس معاملہ میں ان کو مرجعیت عامہ کا شرف حاصل تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات جب کسی اختلافی مسئلہ میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تو اسے بہترین طریق پر حل کر دیتے۔ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوایوبؓ سے علمی استفاضہ کیا ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابو امامہ باہلیؓ، حضرت زید بن خالد جہنیؓ، حضرت عبداللہ بن یزید خطمیؓ، حضرت مقدام بن معدیکربؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اکابر تابعین میں حضرت عروہ بن زبیرؒ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت سالم بن عبداللہؒ، حضرت عطاء بن یسارؒ، حضرت عطاء بن یزید لیثیؒ، حضرت ابوسلمہؒ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ۔ حضرت ابوایوبؓ کے کمالاتِ علمی سے فیض یاب ہوئے۔

(۳)

تفقہ فی الدین حضرت ابوایوب انصاریؓ کو "تفقہ فی الدین" میں کمال حاصل تھا۔ اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل آن واحد میں نہایت خوش اسلوبی سے حل کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ میں اس بارے میں اختلاف رائے پیدا ہوا کہ ایک شخص احرام کی حالت میں غسل جنابت کرتے وقت اپنے ہاتھ سے سر مل سکتا ہے یا نہیں۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ کے نزدیک سر دھونا جائز نہیں تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کے جواز

کے حق میں تھے۔ دونوں بزرگوں نے حضرت عبداللہ بن حنینؓ کو حضرت ابوایوبؓ کے پاس بھیجا کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے کیا ہے۔ جب حضرت عبداللہ حضرت ابوایوبؓ کے گھر پہنچے تو اتفاق سے وہ اس وقت غسل ہی کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے بلند آواز سے اختلافی مسئلہ میں ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت ابوایوبؓ نے اوٹ سے اپنا سر باہر نکالا اور ہاتھ سے سر کو ملنا شروع کر دیا۔ پھر فرمایا۔ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی انداز سے غسل فرمایا کرتے تھے"

ابن اسحاقؒ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام تھے ایک دن ان میں اور بعض دوسرے اصحاب میں اس مسئلہ پر بحث چھڑ گئی کہ نبیذ کس برتن میں بنائی جا سکتی ہے۔ قرع (برتن) پر نزاع پیدا ہوئی تھی۔ اتفاق سے حضرت ابوایوب انصاریؓ ادھر سے گزرے۔ بحث میں شریک لوگوں نے ایک آدمی کو آپ کے پاس دوڑایا اور اس میں ان کی رائے دریافت کی۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا۔ "رسول اکرمؐ نے مزفت میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

اس شخص نے قرع کے لفظ کی تکرار کی مگر حضرت ابوایوب انصاریؓ نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔

عاصم بن سفیان ثقفی جنگ سلاسل میں شمولیت سے محروم رہ گئے تھے اس میں ان کے ارادہ کو کچھ دخل نہ تھا۔ وہ گھر سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے ہی میں تھے کہ جنگ ختم ہونے کی اطلاع ملی۔ انھیں جہاد سے محرومی کا بہت دکھ ہوا۔ حسرت ویاس کے عالم میں امیر معاویہؓ کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے پاس حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت

عقبہ بن عامر جہنیؓ بھی موجود تھے۔ تینوں جلیل القدر صحابی تھے اور کمالِ علمی سے مشرف تھے۔ عاصم نے براہِ راست حضرت ابو ایوبؓ سے مسئلہ دریافت کیا اور امیر معاویہؓ اور حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت ابو ایوبؓ نے ان کے استفسار کا جواب تو دے دیا لیکن دوسرے دونوں بزرگوں کی طرف عاصم کی بے توجہی انھیں پسند نہ آئی۔ عاصم کو جواب دے کر وہ خود حضرت عقبہ بن عامرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ "کیوں عقبہ میں نے صحیح جواب دیا ہے"

حضرت عقبہؓ نے ان کے جواب کی تصدیق کی۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت ابو ایوبؓ کے مبلغ علم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے وہاں ان کی منکسر المزاجی اور وسیع النظری کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حضرت ابو ایوبؓ کو حدیث سے جو والہانہ شغف تھا اس کا حال آگے ایک علیحدہ باب میں آئیگا۔

شغفِ حدیث

(۱)

طلبِ حدیث حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو حدیث رسولؐ کی سماعت کا بھی شوق تھا۔ امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ مصر کے گورنر تھے۔ حضرت عقبہؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت ابو ایوبؓ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک خاص حدیث کے راوی ہیں۔ اُن کو اس حدیث کی سماعت کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کے شوقِ سماعت نے بے چین کر دیا۔ اور پیرانہ سالی کے عالم میں صرف ایک حدیث کے لیے مدینہ منوّرہ سے مصر کا پُرصعوبت اور طویل سفر اختیار کیا۔ مصر پہنچ کر پہلے حضرت مسلمہ بن مخلدؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ میزبان رسولؐ سے ملاقات کر کے نہایت مسرور ہوئے۔ اور پھر پوچھا کہ سفرِ مصر کی زحمت کیسے گوارا فرمائی۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا کہ میں عقبہؓ سے ایک حدیث سننے آیا ہوں کیونکہ عالمِ اسلام میں اس وقت اس حدیث کے جاننے والا اور کوئی نہیں۔ مجھے عقبہؓ کے مکان کا پتہ بتا دیجئے۔

غرض مسلمہؓ سے وداع ہو کر حضرت عقبہؓ کے مکان پر پہنچے اور ان سے وہ خاص حدیث دریافت فرمائی۔ جب وہ حدیث سنا چکے تو ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لیے چل دیئے۔

(۲)

اشاعتِ حدیث

حضرت ابوایوب انصاریؓ کو اشاعتِ حدیث کا بڑا خیال رہتا تھا اور وہ لوگوں کو نہایت شوق سے حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ کسی شخص کو خلافِ سنت فعل میں مصروف دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے۔ اور اپنی تنبیہہ کے جواز میں اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناتے۔ اشاعتِ حدیث کے چند واقعات آپ کی حق گوئی کے ضمن میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ اس پاکیزہ شوق کی انتہا یہ تھی کہ بسترِ مرگ پر بھی اشاعت حدیث میں مصروف تھے۔ اس وقت لوگوں نے ان سے دو ایسی احادیث سنیں جو اس سے پہلے بیشتر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے علم میں نہ تھیں۔ یہ دو احادیث یہ ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ ضرور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کا ارتکاب کرتی تاکہ وہ ان کی مغفرت کرے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۳۰)

روایتِ حدیث

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے ایک سو پچاس احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے چند احادیث بطور تبرک نیچے درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر عید الفطر کے بعد چھ روزے شوال کے رکھے تو اس نے گویا سال بھر کے روزے رکھے۔ (صحیح مسلم)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص "یہ کلمۂ توحید" دس بار پڑھے گا تو اس کا ثواب اس کے برابر ہوگا جس نے چار غلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے آزاد کئے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(ترجمہ:۔ نہیں کوئی خدا کے سوا بندگی کے لائق۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اسی کو بادشاہی ہے اور اسی کو سب خوبیاں اور وہ ہر چیز کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم رفع حاجت کو جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھا کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کر کے۔ (نہ پیشاب کے وقت اور نہ جائے ضرور کے وقت بلکہ پورب یا پچھم کے رُخ بیٹھا کرو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں صبح شام کوشش کرنا بہتر ہے ہر اس شئے سے جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوا (یعنی جہاد دنیا کی ہر چیز سے افضل ہے) (صحیح مسلم)

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے اناج کو تولا کرو۔ تمہارے لیے اس میں برکت ہوگی۔ (صحیح بخاری)

۶۔ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے بہشت میں داخل کرے اور دور کرے مجھ کو آگ سے۔

آپؐ نے فرمایا تو اللہ کی عبادت کر۔ کسی کو اس کا شریک نہ کر۔ نماز قائم کر۔ زکوٰۃ ادا کر اور برادری کے لوگوں سے ملاپ کر۔

(صحیح بخاری)

۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو حلال و درست نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان سے تین رات سے زیادہ ایسی جدائی کرے (ناراض رہے) کہ دونوں ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے منہ پھیرلیں۔ وہ بھی اور یہ بھی، اور ان دونوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام علیک پہلے کہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

طالب ہاشمی کی کچھ اور تالیفات

صحابیات و عارفات

اس کتاب کی تالیف کا مقصد پاکستانی خواتین کو ان برگزیدہ و پاکباز ہستیوں کی سیرت پاک سے آگاہ کرنا ہے جن کے اسوۂ حیات پر عمل کرنا زندگی کا اولین مقصد ہے۔ اس میں بعثت نبوی سے پہلے اور بعد کی مایۂ ناز صحابیاتؓ اور عارفات کاملہؒ کے حالات نہایت دلکش انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

فوٹو آفسٹ پر طبع ہوئی ہے۔ سائز بڑا۔ نہایت اعلیٰ کاغذ۔ جلد اور گرد پوش سے مزین۔ ضخامت ۳۰۰ صفحات۔ قیمت چھ روپے۔

سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۔ صدیق اکبرؓ کے نواسے اور حواری رسولؐ حضرت زبیرؓ بن عوام و اسماءؓ ذات النطاقین کے فرزند حضرت عبداللہؓ زہد و اتقا اور شجاعت کے اعتبار سے تاریخ اسلام کی ایک مثالی شخصیت تھے۔ طالب ہاشمی نے ان کے ولولہ انگیز حالات زندگی ایسے دلچسپ انداز میں پیش کئے ہیں کہ ایک دفعہ کتاب شروع کر کے ختم کئے بغیر رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ عمدہ کتابت طباعت ضخامت ۲۸۵ صفحات قیمت ۵۰/۲ روپے

تذکرہ سیدنا غوث الاعظمؒ ۔ پیران پیر غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے جامع سوانح حیات ۴۲ نایاب کتب سے اخذ کر کے پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت عام ایڈیشن ۵۰/۴ روپے۔ اعلیٰ ایڈیشن ۶/۰۰ روپے

تذکرہ حضرت خواجۂ اجمیریؒ ۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ روحانی پیشواؤں کی کہکشاں میں ایک چمکدار ستارہ ہیں اور ہندو پاکستان میں سلسلۂ چشت کے موسس اول۔ ان کے سوانح حیات مستند ذرائع سے اخذ کر کے نہایت دلچسپ انداز میں قلمبند کیے گئے ہیں۔

اعلیٰ کتابت و طباعت۔ ضخامت ۳۲۰ صفحات۔ قیمت عام ایڈیشن ۴/۰۰ روپے اعلیٰ ایڈیشن ۵/۰۰ روپے

شیخ الشیوخ عالم یعنی تذکرہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

اس کتاب کی ترتیب میں تصوف کی قدیم و جدید چوبیس کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تذکرہ نہ صرف منفرد حیثیت رکھتا ہے بلکہ ہر لحاظ سے مکمل و جامع ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت بڑا سائز۔ جلد اور گرد پوش سے آراستہ ضخامت پونے تین سو صفحات۔ قیمت ۵/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ شعاع ادب [illegible]

سیرتِ میزبانِ رسولؐ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ

مؤلفہ

طالب الہاشمی

شعاعِ ادب مسلم مسجد لاہور
انارکلی